بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ ۳۰)

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا۔ بیشک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں

خلافت
قرآن کی نظر میں

خلافت کے موضوع پر تحقیق انیق اور تفتیش دقیق

تالیف

سید محمد حسین زیدی برستی

ناشر

ادارہ انتشارات حقائق الاسلام چنیوٹ

نام کتاب........ خلافت قرآن کی نظر میں
نام مولف و مصنف... سید محمد حسین زیدی برستی
ناشر......... ادارۂ انتشارات حقائق الاسلام چنیوٹ
کمپوزنگ....... کمپیوٹر کمپوزنگ سروس فرسٹ فلور
حسن مارکیٹ۔ سرکلر روڈ۔ لاہور
تعداد............ ایک ہزار
مطبع.......... معراج دین پرنٹنگ پریس لاہور
تاریخ طباعت.... اکتوبر 1996ء

اظہار تشکر

اس کتاب کی طباعت میں ایک مومنہ نے حصہ ملا کر تعاون کیا ہے خداوند تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور بحق محمدؐ و آل محمدؐ ان کی مرادیں پوری اور رزق میں ترقی فرمائے۔ آمین ثم آمین

احقر

سید محمد حسین زیدی برستی
نزد ڈاکخانہ لاہوری گیٹ چنیوٹ
ضلع جھنگ فون 331446

فہرست

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱۔	پیش لفظ	5
۲۔	نظام خلافت کیا ہے؟	7
۳۔	خلیفہ کے لغوی معنی کی تحقیق؟	8
۴۔	خلیفہ یا خلافت فی نفسہ کوئی منصب نہیں	12
۵۔	امامت نبوت سے الگ ایک مستقل الٰہی منصب ہے	12
۶۔	امامت نبوت سے افضل عہدہ ہے	14
۷۔	نظام اسلام نظام ہدایت ہے	18
۸۔	خلافت کے بدلتے ہوئے اصول	20
۹۔	خلافت کے بارے میں غور طلب امور	24
۱۰۔	کیا واقعاً" خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا تھا؟	25
۱۱۔	فرشتوں کی صفات و خصوصیات	27
۱۲۔	ان فرشتوں سے کون سے فرشتے مراد ہیں	29
۱۳۔	فرشتوں کی اقسام	29
۱۴۔	مذکورہ اعلان کون سے فرشتوں کے سامنے کیا	31
۱۵۔	جنوں کے رسول	33
۱۶۔	ابلیس فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا۔	35
۱۷۔	ابلیس نے سرکشی کیوں اختیار کی؟	36
۱۸۔	جنوں کو بھی ہدایت کی ضرورت تھی	38
۱۹۔	مذکورہ اعلان فرشتوں کے سامنے کیوں کیا؟	43
۲۰۔	سجدہ آدم کی داستان مختلف عنوانات کیساتھ	43
۲۱۔	اعلان خلافت آدم کا تجزیہ	48
۲۲۔	نسل انسانی کے دو گروہ	49
۲۳۔	فرشتوں کو جواب	50
۲۴۔	فرشتوں کو خدا کا جواب	52

۲۵۔	آدم کو ناموں کی تعلیم	53
۲۶۔	آدم کو کن ناموں کی تعلیم دی گئی	53
۲۷۔	فرشتوں سے سوال	59
۲۸۔	فرشتوں کا جواب	62
۲۹۔	اصمعی کی حکایت	63
۳۰۔	ایک عجیب و غریب امتحان	65
۳۱۔	آدم کو حکم دیا کہ فرشتوں کو ناموں سے آگاہ کریں	67
۳۲۔	فرشتوں سے آخری خطاب	68
۳۳۔	خلاصۃ الکلام	69
۳۴۔	کیا واقعاً داؤد خدا کے خلیفہ تھے؟	71
۳۵۔	کیا انسان خدا کا خلیفہ ہے؟	77
۳۶۔	خدا نے خلفاء، خلائف اور مستخلف کن کو کہا؟	79
۳۷۔	کافروں کو ہلاک کر کے اہل ایمان کو انکا وارث بنانے کی پیشین گوئی	86
۳۸۔	خدا کا نظام وراثت	99
۳۹۔	پیغمبر اکرمؐ سے پہلے خدا کا وعدہ استخلاف کیسے پورا ہوا؟	101
۴۰۔	پیغمبر اکرمؐ کا وعدہ استخلاف کیسے پورا ہوا؟	102
۴۱۔	کیا امانت سے مراد خدا کی خلافت ہے؟	107
۴۲۔	اس امانت سے مراد کونسی امانت ہے؟	109
۴۳۔	پیغمبر کو خدا کا حکم کہ امانتیں اس کے اہل کے سپرد کر دیں	113
۴۴۔	کیا آیات شوریٰ خلافت کے تقرر پر دلالت کرتی ہے؟	116
۴۵۔	جنگ احد کی روئیداد	121
۴۶۔	اعلان معافی و درگذر	122
۴۷۔	"لنت لھم" میں "ھم" کی ضمیر کر مرجع	123
۴۸۔	"شاورھم" میں "ھم" کی ضمیر کی مرجع	123
۴۹۔	مستکبرین و جبار عنید	126
۵۰۔	سب اللہ کے بندے ہیں	140
۵۱۔	نتیجہ آخر	143

پیش لفظ

ماضی قریب میں ایک کتاب "اصلاح شیعہ" کے نام سے پندہ ہزار کی تعداد میں چھپی ہے اور ۲۳x۳۶/۱۶ کی تقطیع میں تقریباً "۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور اس کے ٹائٹل پر "مفت تقسیم کے لئے" لکھا ہے۔ پرنٹ لائین میں اس کتاب کا عربی نام الشیعہ والتصیح ظاہر کیا گیا اور "ابو مسعود آل امام" کو اس کتاب کا مترجم لکھا ہے اور اس کا ترجمہ "اصلاح شیعہ" کے نام سے پندرہ ہزار کی تعداد میں طبع کرا کر پاکستان میں مفت تقسیم کرایا گیا ہے۔

اور مذکورہ کتاب کی مترجم نے اس کتاب کے مولف کا تعارف یوں کرایا ہے۔

"ڈاکٹر موسی الموسوی الامام الاکبر ابوالحسن الموسوی الاصفہانی کے پوتے ہیں ۱۹۳۰ء میں نجف اشرف میں پیدا ہوئے اور وہیں اجتہاد کے موضوع پر فقہ اسلامی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی ۱۹۵۵ء میں طہران یونیورسٹی سے اسلامی قانون میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ۱۹۵۹ء میں پیرس یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیا ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۶ء تک ہارورڈ یونیورسٹی میں ریسرچ پروفیسر رہے۔ ۱۹۷۹ء سے امریکہ میں "مجلس الاسلامی الاعلی" کے منتخب صدر نشین ہیں" آپ بڑے پایہ کے شیعہ محقق ہیں.... مولف نے اپنی دیگر تصانیف میں خمینی کی شخصیت سے بھی پردہ اٹھایا ہے.... اور اس کتاب کو ایک منصب مزاج، عدل پسند، روشن خیال صاحب علم و نظر شیعہ محقق کے قلم سے تشیع کی تصویر قرار دیا ہے۔

اس کتاب میں ۱۶ عنوانات ہیں۔ نمبر۱ امامت و خلافت نمبر۲ تقیہ نمبر۳ امام مھدی نمبر۴ غلو نمبر۵ قبور آئمہ کی زیارت نمبر۶ عاشورہ محرم کی روز ماتم نمبر۷ اذان میں تیسری شہادت نمبر۸ متعہ نمبر۹ خاک کربلا پر سجدہ نمبر۱۰ دہشت گردی نمبر۱۱ نماز جمعہ نمبر۱۲ تحریف قرآن نمبر۱۳ جمع بین الصلواتین نمبر۱۴ رجعت نمبر۱۵ بداء نمبر۱۶ تحریک اصلاح کا جائزہ۔

ان عنوانات میں سے پہلے اور تیسرے عنوان یعنی "امامت و خلافت اور امام مھدی" کا تعلق عقیدہ سے ہے اور باقی عنوانات کا تعلق فروعی اور فقہی مسائل سے ہے، سوائے دسویں عنوان یعنی "دہشت گردی کے" جسکا تعلق مئولف کی طرف سے خمینی کی شخصیت سے پردہ اٹھانے اور امریکہ کی طرف سے ایران کو ایک دہشت گرد ملک قرار دینے کی کوششوں سے ہے۔

جہاں تک اس کتاب میں مذکور فروعی اور فقہی مسائل کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں اہل سنت بڑھ چڑھ کر اور بڑے سخت انداز میں شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں اور شیعہ فقہا ان کا بڑی متانت کے ساتھ جواب دیتے چلے آئے ہیں، انہوں نے غلو کو ہمیشہ کفر قرار دیا۔ وہ تحریف قرآن کو ہمیشہ سے غلط سمجھتے ہیں۔ اور یہ ثابت کرتے آئے ہیں کہ یہ کسی شیعہ کا عقیدہ نہیں ہے اور انہوں نے کبھی بھی اذان میں تیسری شہادت کو جزء اذان قرار نہیں دیا بلکہ سب ہی اسے بطور مستحب کہنے کی تاکید کرتے چلے آئے ہیں اور آج اسکا اذان میں کیوں کہنا ضروری ہے؟ اسے ہم نے اپنی کتاب تبصرہ الھموم کے عنوان "فلسفہ فصول اذان" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور باقی فروعی اور فقہی مسائل کا ہمارے فقہا قرآن و حدیث سے اثبات کرتے رہے ہیں۔

لیکن اس کتاب "اصلاح شیعہ" میں "دہشت گردی" کے عنوان میں تو امریکہ کے ایران کو ایک دہشت گرد ملک قرار دینے کے مقصد کی تکمیل کے لئے غلط سلط باتیں بنائی گئی ہیں اور باقی کے فروعی اور فقہی مسائل کے بارے میں اس منصف و مؤلف نے جسے شیعہ ظاہر کیا گیا وہی کچھ لکھا ہے جو اہل سنت شیعوں کو بڑھ چڑھ کر اعتراض کے طور پر کہتے ہیں۔

لیکن ایک ہی بات نے جو عقیدے سے متعلق ہے اس کتاب کے مولف کو ننگا کر دیا ہے۔

اور وہ بات یہ ہے کہ امت مسلمہ کے دونوں عظیم فرقوں یعنی اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان بنیادی اختلاف، خلافت کے موضوع پر ہے۔ اور دونوں اس موضوع پر جداگانہ موقف رکھتے ہیں۔ اور دونوں کے دونوں اپنے اپنے موقف کو حق ثابت کرتے ہیں۔ گویا ان دونوں کے نزدیک یہ نظریہ ایک معیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی ان دونوں میں سے جو ایک نظریہ کو ثابت کرتا ہے وہ حتماً "اہل سنت سے تعلق رکھتا ہے وہ شیعہ نہیں ہے۔ اور جو دوسرے نظریہ کو ثابت کرتا ہے اس کا تعلق اہل تشیع سے ہے وہ سنی نہیں ہے۔ اور مذکورہ کتاب میں سنی موقف بیان ہوا ہے۔

اور دوسری بات جس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب "اصلاح شیعہ" نہ صرف یہ کہ یہ کسی شیعہ کی لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ یہ کسی صحیح العقیدہ سنی کی بھی لکھی ہوئی نہیں ہے، یہ ہے کہ اس ساری کتاب میں ہر جگہ جہاں بھی حضرت "محمد" کا نام آیا ہے وہاں کہیں بھی درود میں "آلہ" نہیں لکھا بلکہ ہر جگہ "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہے۔ جو ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ کتاب نہ تو کسی شیعہ نے لکھی ہے اور نہ ہی کسی صحیح العقیدہ سنی نے لکھی ہے بلکہ یہ امریکی سرمایہ سے چھپی ہے، اور شیعہ اور سنی دونوں کو لڑانے کے لئے پندرہ ہزار کی تعداد میں۔ ان دونوں کے کسی مشترکہ مخالف نے طبع کرا کر پاکستان میں مفت تقسیم کرائی ہے۔ اور وہ خود ابو مسعود آل امام ہے۔

ہمیں یہ کتاب "اصلاح شیعہ" جواب دینے کے لئے ایک عزیز نے دی تھی لہٰذا ہم نے اپنی اس کتاب میں "اصلاح شیعہ" نامی کتاب کے پہلے باب "امامت و خلافت" کا جواب دیا ہے، اور چونکہ خلافت کے بارے میں بہت سے مسلم دانشوروں اور شیعہ و سنی مفکرین نے مختلف نظریات اور افکار پیش کئے ہیں۔ لہٰذا ہم نے اپنی اس کتاب میں خلافت کے موضوع پر قرآن کی نظر سے ایک غیر جانبدارانہ تحقیق پیش کی ہے، اور اس کتاب کا نام "خلافت قرآن کی نظر میں" رکھا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ الیہ توکلت والیہ انیب

احقر

سید محمد حسین زیدی برتی

نظام خلافت کیا ہے؟

پاکستان میں جب بھی قوانین شریعت کے نفاذ کی کوئی بات ہوتی ہے تو فوراً نظام خلافت کے اجراء کا چرچا ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ نظام خلافت کی بات کرنے والوں میں سے کسی کو بھی یہ پتہ نہیں ہے کہ نظام خلافت کیا ہے؟

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس لفظ کا استعمال قرآن کریم میں سب سے پہلے حضرت آدم کے بارے میں کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

"و اذ قال ربک للملائکتہ انی جاعل فی الارض خلیفتہ"

البقرہ۔ ۳۰

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے یہ کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اس لفظ سے بہت سے لوگوں نے دوسروں کو خوب بے وقوف بنایا اور بہت سے لوگوں نے خوب دھوکہ کھایا۔

اس لفظ کے حوالے سے کسی نے کہا کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا' کسی نے کہا کہ خدا نے آدم کو کسی پہلی نسل کا خلیفہ بنایا جو ہلاک ہو گئی تھی' کسی نے کہا کہ خلافت بہت عظیم منصب ہے جس کو دیکھ کر تمام فرشتوں کے منہ میں پانی بھر آیا' کسی نے کہا کہ فرشتوں کو یہ منصب اس لئے نہ ملا کہ فرشتے امتحان میں فیل ہو گئے' کسی نے کہا کہ آدم کو یہ منصب اس لئے ملا کہ وہ فرشتوں کے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے' کسی نے کہا کہ یہ وہ عظیم امانت ہے جس کا بار سوائے انسان کے کوئی نہ اٹھا سکا' کسی نے کہا کہ خدا نے آدم کو فرشتوں کا خلیفہ بنایا' کسی نے کہا کہ خدا نے ہر انسان کو اپنا خلیفہ بنایا' کسی نے کہا کہ خدا نے کسی فرد واحد کو نہیں بلکہ انسانوں کی جماعت کو خلیفہ بنایا اور مولانا مودودی نے تو حد ہی کر دی انہوں نے فرمایا کہ:

"ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں وہ خدا کا خلیفہ ہوتی ہے"۔

خلافت و ملوکیت: ص۔ ۳۴

آیئے تمام قرآنی آیات کو سامنے رکھ کر اور لغت سے اس کے معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے خلیفہ یا خلافت کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں کہ آیا خلافت کوئی منصب یا عہدہ ہے یا نہیں اور خلیفہ یا خلافت کا حکومت اور اقتدار سے کوئی واسطہ اور تعلق ہے یا نہیں۔

خلیفہ کے لغوی معنی کی تحقیق

روزنامہ جنگ ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۵ء لاہور ایڈیشن میں ایک مضمون بعنوان "خلافت و ملوکیت" شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں لغت کی کئی کتابوں اور تفسیروں سے لفظ "خلیفہ" کے معنی نقل کیے گئے تھے، اس مضمون میں لغت کے اعتبار سے لفظ "خلیفہ" کا کافی تحقیقی مواد جمع کر دیا گیا ہے لہٰذا ہم لغت کی حد تک اس مضمون سے استفادہ کرتے ہیں اس میں لکھا ہے:

"خلیفہ" کا کلمہ "خلف" سے مشتق ہے جس کے معنی جانشین ہونا، پیچھے آنا، کسی کی جگہ لینا اور بدل یا قائم مقام بننا ہے اور خلیفہ کے معنی پیچھے آنے والا، جانشین یا قائم مقام ہے "تا" اس میں مبالغہ کے لئے ہے۔ "لغات سٹینگاس، ملٹن کووان، تکملہ الکریتی، مجمل اللغۃ احمد بن فارس، لغات القرآن عبدالرشید نعمانی، تفسیر الاحناف طالقانی اور کشف الاسرار انصاری"۔

پھر سید محمود طالقانی کی پرتوی از قرآن (۱-۱۱۲) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"خلیفہ از خلف کیکہ جای دیگری بنشیند و قائم مقام او باشد وکار او را سامان بخشد وتا برائے مبالغہ است"

"خلیفہ" خلف سے ہے وہ آدمی جو کسی کا جانشین یا قائم مقام ہو، اور اس کے کام کو آگے بڑھائے، تا مبالغہ کے لئے ہے"۔

خواجہ عبداللہ انصاری کی تفسیر کشف الاسرار و عدۃ الاسرار (۱-۱۳۳) کے حوالہ سے "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" کی تفسیر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آدم را خلیفۃ نام کرد از بہر آنکہ برجای ایشاں نشست کہ پیش از وی بودند در زمین و فرزندانش ہر قرن کہ آیند خلف و بدل ایشاں باشند کہ از پیش بودند" آدم کو

اس لئے خلیفہ کے نام سے پکارا گیا کہ اس نے زمین پر ان لوگوں کی جگہ لی جو اس سے پہلے تھے (اور اس لئے کہ) ہر قرن میں اس کی اولاد ان لوگوں کی جگہ لے گی اور ان کا بدل بنے گی جو ان سے پہلے ہوں۔

لغت اور تفسیر کی اتنی کتابوں سے اس لفظ کے لغوی معنی لکھنے کے بعد فاضل مضمون نگار نے جو نتیجہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

"اب اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے اکثر و بیشتر لوگ خلیفہ کے معنی خدا کا نائب کر جاتے ہیں حالانکہ لغوی طور پر اس کے یہ معنی نہیں بنتے"۔

اس کے بعد امام راغب اصفہانی کی مفردات القرآن کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"یہ نیابت کسی کی غیر حاضری کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ موت کے سبب بھی ہو سکتی ہے اور عجز و معذوری کے سبب بھی، محض نائب کو شرف بخشنے کی غرض سے بھی ہو سکتی ہے"۔

لغت کی مذکورہ کتابوں سے خلیفہ کے لغوی معنی لکھنے کے بعد فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں:

"جن مسلمانوں نے خلیفہ سے مراد حاکم یا شہنشاہ یا ظل اللہ لی ہے انہوں نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے اور عملی طور پر اس سے بڑی قباحتوں نے جنم لیا"۔

یقیناً ہر غیر جانبدار اور منصف مزاج محقق کو فاضل مضمون نگار کے اس فیصلہ سے اتفاق کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ لغت کے اعتبار سے خلیفہ کے معنی نہ تو حاکم کے ہیں اور نہ ہی بادشاہ کے، نہ ہی امیر کے ہیں اور نہ ہی فرمانروا کے۔

مذکورہ مضمون کے علاوہ اب ہم لغات کی دوسری کتابوں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

ابن اثیر جزری نے "نہایہ اللغۃ" میں "فخلف من بعدھم خلف" کے معنی تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"کل من یجیئ بعد من مضی الا انہ بالتحریک فی الخیر و بالتسکین فی الشر" یعنی "خلف" خواہ تحریک کے ساتھ ہو یا سکون کے ساتھ اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو مرنے والے کی جگہ لیتا ہے اور اس کے بعد آتا ہے مگر "خلف" "ل" کی تحریک سے خیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور "خلف" "ل" کے سکون سے شر کے معنی میں

آتا ہے' اس کے بعد ابن اثیر جزری نے اپنی کتاب نہایہ اللغتہ میں "خلف" کی لغت میں اس طرح بیان کیا ہے:

"و فی حدیث ابوبکر جاتہ اعرابی فقال لہ انت خلیفتہ رسول اللہ فقال لا قال فما انت قال انا الخالفتہ"

الخلیفہ من یقوم مقام الذاھب ویسد مسدہ والھاء فیھا للمبالغتہ و جمعہ الخلفاء علی معنی التذکیر لا علی اللفظ مثل ظریف و ظرفاء و یجمع علی اللفظ الخلائف کظریفتہ و ظرائف و اما الخالفتہ فھو الذی لا غنی عندہ ولا خیر فیہ" یعنی "ابوبکر کی روایت میں آیا ہے کہ ان کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہا کہ کیا تم رسول اللہ کے بعد ان کے خلیفہ ہو' اس پر حضرت ابوبکر نے کہا میں خلیفہ رسول اللہ نہیں ہوں' اعرابی نے کہا کہ پھر آپ کیا ہیں' حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں تو "خالفہ" ہوں۔

اس کے بعد ابن اثیر جذری خلیفہ اور خالفہ کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

خلیفہ تو وہ ہوتا ہے جو جانے والے کے مقام اور مرتبہ میں اس کی جگہ لے اور اس کے کام کو جاری رکھے' اور "ھا" اس میں مبالغہ کے لئے ہے اور اس کی جمع خلفاء آتی ہے' بر معنی تذکیر نہ بربناء لفظ جیسے ظریف و ظرفاء اور لفظ کی بنا پر خلایف جمع ہوتی ہے۔ جیسے ظریفتہ و ظرائف

رہا "خالفہ" تو وہ ایسا شخص ہوتا ہے جس کا نہ کوئی مطلب ہو نہ اس میں کوئی خیر ہو۔ لغت کی ان تمام کتابوں سے ثابت ہوا کہ از روئے لغت نہ تو "خلیفہ" خدا کا نائب ہوتا ہے اور نہ ہی خلیفہ کے معنی حاکم یا بادشاہ کے ہیں اور نہ ہی والی و فرمانروا کے' البتہ نہایہ اللغتہ کی تصریح سے یہ ثابت ہوا کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو جانے والے کے مقام و مرتبہ میں اس کی جگہ لے اور اس کے کام کو جاری رکھے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کم از کم حضرت ابوبکر کے ابتدائی ایام میں خلیفہ کا لفظ حکمرانوں اور بادشاہوں کے لئے کنفرم نہیں ہوا تھا' ورنہ حضرت ابوبکر اس سے انکار نہ کرتے کیونکہ بہرحال وہ حکمران یا امیر تو بن ہی گئے تھے۔

بلکہ مولانا مودودی کی کتاب "خلافت و ملوکیت" سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر کو بھی اس لفظ کے معنی کی وجہ سے خود کو خلیفہ کہلانے میں تذبذب

تھا۔ مولانا مودودی اپنی کتاب کے صفحہ ۸۸ پر طبقات ابن سعد جلد۔۳' صفحہ ۳۰۷-۳۰۶ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حضرت عمر نے ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی سے پوچھا "میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ' پھر اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتے ہیں "ایک موقع پر حضرت عمر نے اپنی مجلس میں کہا' خدا کی قسم میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ' اگر بادشاہ ہو گیا ہوں تو یہ بڑی سخت بات ہے"۔

خلافت و ملوکیت :ص ۔ ۸۸

حضرت عمر کے لئے مشکل یہ تھی کہ وہ حضرت ابوبکر کے بعد مسلمانوں کی حکومت کے فرمانروا بنے تھے لہذا وہ حضرت ابوبکر کے جانشین تو تھے لیکن پیغمبر کے جانشین نہیں کہلا سکتے تھے اور پیغمبر نے اس کثرت سے یہ فرمایا تھا کہ میرے بارہ جانشین ہوں گے جو میرے کام کو' جو ہدایت و رہبری ہے جاری رکھیں گے' اور اس کے لئے آپ نے سب کے لئے ہی اپنے خلیفہ کا لفظ استعمال کیا تھا' یعنی وہ سب کے سب امام و ہادی خلق اور رہبر و رہنما ہوں گے اور میرے اس کار ہدایت کو جاری رکھیں گے جو خدا نے میرے ذمہ لگایا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"انک لتهدی الی صراط مستقیم"

"اے رسول بے شک تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہو" لوگوں کے ذہنوں میں پیغمبر کا بار بار دھرایا ہوا یہی لفظ خلیفہ بیٹھا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے لوگوں نے حضرت ابوبکر کو رسول کا خلیفہ کہا تو انہوں نے انکار کیا اور جب لوگ حضرت عمر کو خلیفہ کہنے لگے تو وہ بھی اپنے تذبذب کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے کہ انہیں خلیفہ کہلانا چاہئے یا بادشاہ' اور یہ تذبذب اس حد تک تھا کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ "خدا کی قسم میں ابھی تک یہ نہیں سمجھا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ"

حضرت عمر کا قسم کھا کر یہ کہنا ایسی بات نہیں ہے جس کو درخور اعتنا نہ سمجھا جائے اور شاید اسی تذبذب کو دور کرنے کے لئے حضرت عمر نے اپنے لئے امیرالمومنین کا لقب اختیار کر لیا جسے علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق کے صفحہ ۶۱۱ پر حضرت عمر کی اولیات میں شمار کیا ہے۔

الفاروق :ص ۔ ۶۱۱

خلیفہ یا خلافت فی نفسہ کوئی منصب نہیں

اب تک کے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ خلیفہ کے معنی لغت کے اعتبار سے، امیر یا حکمران یا بادشاہ یا فرمانروا کے نہیں ہیں اور نہ ہی خلیفہ یا خلافت حکومت کا کوئی عہدہ یا منصب ہے بلکہ خلیفہ کے جو معنی "نہایہ اللغتہ" میں ابن اثیر جزری کے قول سے ثابت ہیں وہی اس کے اصل معنی ہیں۔

یعنی جو شخص جانے والے کے منصب، مقام اور مرتبہ میں اس کی جگہ لے اور اس کے کام کو جاری رکھے وہ اس منصب، مقام اور مرتبہ میں اس کا جانشین ہوتا ہے اور اس منصب، مقام اور مرتبہ کا حامل ہوتا ہے جس کی اس نے جگہ لی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کا جانشین بنے گا اور اس کی جگہ لے گا تو وہ بادشاہ بنے گا اور بادشاہ کہلائے گا یعنی وہ اس بادشاہ کی جگہ لینے کی وجہ سے تو اس کا جانشین یعنی خلیفہ ہو گا اور منصب اور مقام کے اعتبار سے وہ بادشاہ کہلائے گا۔

اسی طرح صدر کی جگہ لینے والا صدر کا جانشین یعنی خلیفہ ہو گا اور صدر کہلائے گا اور وزیر اعظم کی جگہ لینے والا وزیر اعظم کا جانشین یعنی خلیفہ ہو گا اور وزیر اعظم کہلائے گا و علی ھذہ القیاس نبی کا جانشین نبی، رسول کا جانشین رسول اور امام و ہادی خلق کا جانشین امام و ہادی ہو گا۔ چونکہ قرآن کی سند کی رو سے نبوت ختم ہو چکی ہے لہٰذا پیغمبر کے بعد کوئی نبی تو نہ ہو گا لیکن قرآن ہی کی سند کی رو سے امامت و ہدایت کا سلسلہ جاری ہے اور امامت بھی نبوت کی طرح ایک مستقل الٰہی منصب ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب "حکومت الٰہیہ" میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے، لیکن موضوع کی مناسبت سے اس مقام پر بھی مختصر طور پر تحریر کیا جاتا ہے۔

امامت نبوت سے الگ ایک مستقل الٰہی منصب ہے

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں میں سے سب سے پہلے جس کی امامت کا اعلان فرمایا وہ حضرت ابراہیمؑ

یعنی وہ خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء اور رسولوں میں سب سے پہلے امام ہیں قرآن کہتا ہے کہ:

"و اذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس
اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین"

البقرہ۔ ۱۲۴

"اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراھیم کا اس کے رب نے کئی باتوں میں امتحان لے لیا اور ابراھیم نے ان کو پورا کر دیا (تب خدا نے) فرمایا کہ میں تم کو کل آدمیوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں (ابراھیم نے) عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی (خدا نے) فرمایا جو ظالم ہوں گے وہ میرے عہد سے فائدہ نہ اٹھائیں گے"۔

اکثر علماء اور دانشوروں نے اس بات میں غور ہی نہیں کیا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ خلیفہ اور اس کے مشتقات آئے ہیں ان کی اضافت اور نسبت ہر جگہ "الارض" کے ساتھ ہے جیسے "فی الارض خلیفہ" یا "خلفاء الارض" یا "خلائف فی الارض" وغیرہ اور امام کی اضافت اور نسبت ہر جگہ انسانوں کے ساتھ ہے جیسا کہ فرمایا "انی جاعلک للناس اماما" میں تجھے کل انسانوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں' خلیفہ اور امام کی یہ اضافت اور نسبت ہی ان دونوں کے معنوں میں فرق ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے یعنی لفظ خلیفہ زمین میں بسانے اور دوسروں کی جگہ زمین میں آباد کرنے کے لئے آیا ہے اور امام انسانوں کی ہدایت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور ہادی کے معنی دیتا ہے لہٰذا ان دونوں کے ایک ہی معنی لینا صحیح نہیں ہے۔

بعض علماء جو امامت کو نبوت سے علیحدہ کوئی اور خدائی منصب نہیں مانتے وہ ابراہیم کی امامت کے اعلان کو ان کی نبوت کا اعلان قرار دیتے ہیں ان کے اس نظریے کو غلط ثابت کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ابراھیم کو یہ منصب نبی کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے ہوئے کئی امتحانوں اور آزمائشوں میں کامیابی کے بعد ملا تھا جس کی دلیل آیت میں مذکور لفظ "فاتمھن" ہے۔

حضرت ابراہیم نے بابل میں رہتے ہوئے ستارہ پرستوں' چاند کی پرستش کرنے والوں' سورج کی پوجا کرنے والوں اور بت پرستوں کے ساتھ جتنے مناظرے' مباحثے' مبارزے اور مجاہدے کئے تھے وہ ایک نبی کی حیثیت سے سرانجام دیئے تھے لیکن بابل

میں رہتے ہوئے سوائے حضرت لوط کے ان پر کوئی ایمان نہیں لایا تھا جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

"فآمن له لوط وقال انی مهاجر الی ربی انه هو العزیز الحکیم"
العنکبوت - ۲۶

بابل میں رہتے ہوئے صرف لوط حضرت ابراہیم پر ایمان لائے (اور جب ابراہیم نے' بابل سے ہجرت کا ارادہ کیا تو لوط نے) کہا کہ میں بھی اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے اور خدا نے جس امتحان اور آزمائش کو کھلی ہوئی اور واضح آزمائش اور امتحان قرار دیا ہے وہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی ہے جو حضرت ابراہیم نے بابل سے ہجرت کرنے کے بعد مکہ میں پیش کی جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

"ان هذا لهو البلاء المبین"
"بے شک یہی وہ کھلی ہوئی آزمائش تھی"

لہٰذا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بابل سے ہجرت کرنے کے بعد اور حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے امتحان میں سرخرو ہو کر نکلنے پر جس عہدہ امامت کا خدا نے ابراہیم کے لئے اعلان کیا تھا وہ ان کی نبوت کا اعلان تھا سراسر غلط اور باطل ہے' اور پہلے سے کئے ہوئے فیصلے اور پہلے سے ذہن میں بٹھائے ہوئے عقیدہ کو نبھانے کے لئے محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔

امامت نبوت سے افضل عہدہ ہے

حضرت ابراہیم کو نبوت کے فرائض انجام دیتے ہوئے کئی امتحانوں میں کامیاب ہونے کے بعد امام بنانے سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امامت کا منصب نہ صرف نبوت کے منصب سے علیحدہ ایک مستقل منصب ہے بلکہ نبوت کے منصب سے بڑھ کر اور افضل تر ہے اور اسی وجہ سے حضرت ابراہیم نے عہدہ امامت پانے کے بعد اپنی ذریت میں عہدہ امامت کے جاری رہنے کی دعا کی تھی اور بہت سے علماء کا موقف یہی ہے کہ چونکہ ابراہیم کی نظر میں منصب امامت' عہدہ نبوت سے بہت بڑھ

کر اور عظیم تر نظر آیا لہٰذا اسی وجہ سے اپنی ذریت میں اس کے جاری رہنے کی دعا کی۔ اگرچہ اس بات کے صحیح ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ چونکہ ابراہیم جانتے تھے کہ ایک دن نبوت ختم ہو جائے گی اور امامت قیامت تک باقی رہے گی لہٰذا انہوں نے اس وجہ سے بھی اپنی ذریت میں امامت کے جاری رہنے کی دعا کی۔

ایک اور بات جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہدہ امامت ایک مستقل خدائی منصب ہے یہ ہے کہ اگر یہ خدائی منصب نہ ہوتا تو ابراہیم عہدہ امامت ملنے کے بعد اس کے لئے خدا سے اپنی ذریت کے واسطے دعا نہ کرتے اور اپنے بعد یا تو خود کسی کو امام بنا دیتے یا عوام پر چھوڑ دیتے اس سے ثابت ہوا کہ عہدہ امامت خالصتاً" ایک الٰہی منصب ہے اور کوئی ایسا منصب نہیں ہے جس پر خود کسی کو مقرر کر دیا جائے یا عوام پر چھوڑ دیا جائے اور "لا ینال عھدی الظالمین" میں لفظ "عھدی" خود یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ ایک خدائی منصب ہے جس کا تقرر صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور جس کا خدا نے ابراہیم کی ذریت میں جاری رکھنے کا وعدہ فرما لیا ہے کیونکہ از روئے لغت "عہد" اس وعدہ کو کہتے ہیں جس کے پورا کرنے کا کوئی ذمہ لے لے' جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں "العہد" کے معنی میں لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں کسی چیز کی پیہم نگہداشت اور خبر گیری کرنا اس بنا پر پختہ وعدہ کو بھی "عہد" کہا جاتا ہے جس کی نگہداشت ضروری ہو۔

اور ظالمین کو یہ منصب نہ دینے کا بیان یہ ثابت کرتا ہے کہ امام معصوم عن الخطا ہوتا ہے اور کیونکہ اس بات کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جان سکتا کہ معصوم عن الخطا کون ہے' لہٰذا امام کا تقرر سوائے خدا کے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

یہاں پر ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ امامت کو نبوت سے افضل ماننے میں امامت کا انکار کرنے والوں کے لئے ان کا یہ ذہنی خلفشار بھی مانع ہے کہ اگر امامت کو نبوت سے افضل مان لیا گیا تو اس سے پیغمبر اکرم پر امام کی فضیلت ماننا لازم آئے گا۔

لیکن ان کا یہ خیال قطعی غلط ہے کیونکہ پیغمبر اکرم نہ صرف نبی ہیں بلکہ وہ امام اور ہادی برحق بھی ہیں اور آپ دعائے ابراہیمی یعنی "قال و من ذریتی" کے بہترین د

عمدہ ترین و افضل ترین مصداق ہیں اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میں ابراہیم کی دعا ہوں' اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کی اپنی ذریت میں امامت کی دعا کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لہٰذا آپ نبی بھی ہیں اور امام بھی ہیں لہٰذا امامت کو نبوت سے افضل ماننے میں پیغمبر اکرم کے بعد آنے والے امام کا پیغمبر اکرم سے افضل ہونا لازم نہیں آسکتا اور خاتم النبین کی آیت سے صرف نبوت کا ختم ہونا ثابت ہوتا ہے امامت کا ختم ہونا لازم نہیں آتا ہے لہٰذا امامت جاری ہے جو نہ صرف دعائے ابراہیمی سے ثابت ہے بلکہ قرآن کے ساتھ بہت سی اسلامی روایات سے بھی ثابت ہے اور اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی ایک آیت ہی کافی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے کسی بندے کی ایک دعا کو ان الفاظ میں نازل فرمایا ہے:

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما"

الفرقان - ۷۴

اور وہ (ہمارے خاص بندے) جو یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہم کو ہماری ازواج کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما' اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام و پیشوا بنا دے۔ حضرت ابراہیم نے بھی اپنی ذریت کے لئے "قال ومن ذریتی" کہہ کر امامت کی دعا کی تھی لیکن ابراہیم کی یہ دعا غیر مشروط تھی لہٰذا خدا نے خود سے اس کو مشروط کر دیا کہ جو ظالم ہوں گے وہ میرے اس عہد سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے اور تمہاری ذریت میں جو غیر معصوم ہوں گے وہ اس منصب پر فائز نہ ہو سکیں گے۔ لیکن خدا کے اس خاص بندے نے پہلے ہی اپنی ذریت میں ایسی اولاد کے لئے دعا کی جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو یعنی بقول مولانا شبیر احمد عثمانی "طاعت الہٰی کے راستہ پر گامزن ہو تفسیر عثمانی ص۔ ۴۸۷" اور پھر اپنے لئے اور اپنی ذریت میں سے ان ہستیوں کے لئے جو آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی طاعت الہٰی کے راستے پر گامزن ہوں امامت کی دعا کی کہ "واجعلنا للمتقین اماما" ہم سب کو متقین کا امام و پیشوا بنا دے۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے واضح طور پر کہا ہے کہ ہمارے ایک بندے نے

اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے متقین کا امام بنانے کی دعا کی ہے اور خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں جتنی دعاؤں کا ذکر کیا ہے ان کے ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا ہے اور یہ ایک انداز ہے خدا کے بیان کرنے کا جس میں اس نے اپنے ایک مخلص بندے کی دعا کا ذکر کر کے یہ بیان فرمایا ہے کہ پیغمبر کے بعد امام اور ھادی خلق ہوں گے اور وہ امام المتقین کے لقب سے ملقب ہوں گے۔

جب ہم تحقیق کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جسے پیغمبر نے امام المتقین فرمایا ہے۔ چنانچہ آغا سلطان مرزا نے اپنی کتاب البلاغ المبین جلد اول کے صفحہ ۵۱۳ پر ریاض النضرہ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس اور حاکم کی مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث کتاب معرفت الصحابہ ترجمہ علی بن ابی طالب صفحہ ۱۳۸ اور متقی کی کنزالعمال الجزء السادس صفحہ ۱۵۷، حدیث ۲۶۳۰، ۲۶۲۸، ۲۶۲۵، ۲۶۲۶ وغیرہ کے حوالے سے جو احادیث نقل کی ہیں ان میں سے ایک حدیث اس طرح ہے:

"عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک سید المسلمین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین و یعسوب الدین" حضرت علی سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی تم مسلمانوں کے سردار، متقین کے امام، سفید منہ والوں کے حاکم اور دین کے سردار ہو۔ پس حضرت علی علیہ السلام اور ان کی ذریت ہی وہ امام تھے جن کا ذکر خداوند تعالیٰ نے ان کی دعا کے ضمن میں فرمایا ہے۔

اور اگر پیغمبر کے بعد امامت کا سلسلہ جاری نہ ہوتا اور امامت بھی ختم ہو گئی ہوتی تو قرآن مقام مدح میں اس دعا کا ذکر نہ کرتا اور کسی بندے کی کسی ایسی دعا کا ذکر نہ کرتا جس میں اس نے خود اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے متقین کا امام بنانے کی دعا کی تھی بلکہ اگر امامت بھی ختم ہو گئی ہوتی تو کوئی ایمان لانے والا ہرگز ہرگز اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے امامت کی دعا نہ کرتا۔ جیسا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد یہ دعا کرے کہ خداوندا مجھے اور میری ذریت کو نبی بنا دے لہذا یقینی طور پر اور حتماً پیغمبر کے بعد امامت جاری ہے

جس کو صرف خدا ہی مقرر فرماتا ہے اور وہ معصوم عن الخطاء ہوتا ہے اور اسی وجہ سے پیغمبر نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتہ الجاھلیہ"

مسند احمد حنبل الجزء الرابع ص۔ ۹۶

یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اگر پیغمبر کے بعد امامت جاری نہ ہوتی اور ہر زمانہ کے لئے خدا کے حکم سے پیغمبر کا مقرر کردہ امام موجود نہ ہوتا تو پیغمبر ہرگز یہ نہ فرماتے کہ جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا' اور کیونکہ پیغمبر اکرم خاتم النبین ہونے کے ساتھ ساتھ امام و ہادی خلق بھی ہیں لہٰذا آپ کا جانشین ختم نبوت کی وجہ سے نبی تو نہ ہو گا لیکن وہ امام و ہادی خلق ہو گا اور آپ کے کار ہدایت کو جاری رکھے گا اور یہی آنحضرت کی اصل جانشینی تھی اور چونکہ جانشین کو عربی زبان میں خلیفہ کہا جاتا ہے لہٰذا پیغمبر نے یہ پیشن گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد میرے بارہ خلیفہ یعنی جانشین ہوں گے جو امام و ہادی خلق ہوں گے اور میری امامت کی جگہ امام و ہادی خلق بن کر میری جانب سے میرے جانشین و خلیفہ کے طور پر میری جگہ ہدایت کرنے کے لئے میری ذمہ داری پوری کریں گے۔

اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ خلیفہ یا خلافت کوئی عہدہ یا کوئی منصب نہیں ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی غلط ثابت ہو گیا کہ اسلام "نظام خلافت" کا داعی ہے اس معنی میں کہ خلیفہ یا خلافت کوئی منصب ہو البتہ ہادیوں کے جانشین ہادی ہوتے رہے ہیں اور یہ نظام ہی اسلام میں قائم رہا ہے' جس کی وضاحت اس طرح ہے۔

نظام اسلام نظام ہدایت ہے

نظام اسلام سارے کا سارا نظام توحید کے گرد گھومتا ہے اور نظام توحید کی ایک شاخ نظام ہدایت ہے ارشاد ہوتا ہے:

انا علینا للھدی ہدایت دینا صرف ہمارا ہی کام ہے۔ (واللیل۔ ۱۲)

پھر فرمایا۔

ومن یھدی اللہ فھو المھتدی جسے اللہ ہدایت کرے بس وہی ہدایت پاتا ہے۔

الاعراف ۔ ۱۷۸

اور جب آدم کو زمین پر بھیجا تو فرمایا۔

فلما یاتینکم منی ھدی اب میری طرف سے تمہارے پاس میری ہدایت پہنچا کرے گی

البقرہ ۔ ۳۸

لہٰذا اس نے ہدایت کا ایک نظام مقرر کیا اور اپنی مخلوق میں ایک گروہ خاص طور پر ہادیوں کا خلق فرمایا جو انسانوں کی ہدایت کے لئے مامور کیا جاتا رہا' خدا کے مقرر کردہ ان ہادیوں کے مختلف مناصب تھے' جنہیں قرآن کی اصطلاح میں نبی' رسول اور امام کہتے ہیں۔ ان ہادیوں میں کچھ ہادی صرف نبی تھے وہ رسول اور امام نہیں تھے۔ کچھ ہادی نبی بھی تھے' رسول بھی تھے' لیکن وہ امام نہیں تھے اور کچھ ہادی ایسے تھے جو نبی بھی تھے' رسول بھی تھے اور امام بھی تھے' جیسے حضرت ابراہیم اور ہمارے پیغمبر حضرت ختمی مرتبت' اور کچھ ہادی ایسے تھے جو ختم نبوت کی وجہ سے مرتبہ نبوت پر تو فائز نہ ہوئے لیکن وہ امام و ہادی خلق تھے جیسے وہ بارہ امام ہادی خلق تھے جو پیغمبر کی امامت و ہدایت کو جاری رکھنے کے لئے ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

و ممن خلقنا امتہ یھدون بالحق وبہ یعدلون

الاعراف ۔ ۱۸۱

ہم نے اپنی مخلوق میں ایک گروہ کو خاص طور پر حق کے ساتھ ہدایت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے جو حق کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

ولکل قوم ھاد

الرعد ۔ ۷

اور ہر قوم کے لئے ایک ھادی ہوا کرتا ہے۔

اسی لئے پیغمبر ختمی مرتبت کے لئے فرمایا:

انک لتھدی الی صراط مستقیم

الشوریٰ ۔ ۵۲

(اے پیغمبر) بے شک تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہو۔

اور اسی لئے خدا نے فرمایا:

ان تطیعوہ تھتدوا

النور ۔ ۵۴

اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے

خداوند تعالیٰ نے انسان کو حر اور آزاد خلق فرمایا ہے اور اسے صاحب ارادہ و اختیار بنایا ہے وہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کا غلام نہیں بناتا' نہ غلبہ کے ذریعہ سے' اور نہ ہی کسی اور طریقہ سے۔ اس نے انسانوں کو کسی دوسرے انسان کی اطاعت کا حکم صرف اس کی ہدایت کے لئے دیا ہے' لہٰذا وہ ہادیوں کی اطاعت کے سوا اور کسی کی اطاعت کا حکم نہیں دے سکتا' اس نے پیغمبر کی اطاعت کی علت بتا کر یہ جتلا دیا ہے کہ میں جس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں وہ اس وجہ سے دیتا ہوں کہ اس کی اطاعت سے ہدایت ملے گی۔

لہٰذا حکومت الٰیہ یا حکومت اسلامی کسی انسان کو کسی انسان کا غلام نہیں بناتی' بلکہ اس نے انسان کی سعادت و خوش بختی اور تکامل و ارتقا کے لئے ہادیوں کا ایک نظام قائم کیا ہے اور اس نے ہادیوں کی اطاعت کا حکم انسانوں کے ہدایت یاب ہو کر سعادت و خوش بختی کی معراج کمال تک پہنچنے کے لئے دیا ہے۔

خلافت کے بدلتے ہوئے اصول

تاریخ کا کوئی بھی طالب علم اس بات سے ناواقف نہیں ہے کہ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں بنی امیہ اور بنی عباس کے بادشاہ اور سلطنت ترکیہ کے فرمانروا ۱۹۲۴ء تک اپنے آپ کو خلیفہ ہی کہلواتے رہے اور مسلمان علماء' دانشور اور مجتہدین حکومت ان بادشاہوں کو خلیفہ' ظل اللہ اور ظل سبحانی ہی کہتے رہے۔ لہٰذا ان چودہ سو سال کے عرصہ میں مسلمانوں کی جتنی بھی نسلیں گزریں ان کے ذہنوں میں یہ بات پختہ ہو گئی اور خوب اچھی طرح سے بیٹھ گئی کہ خلیفہ کے معنی حاکم یا بادشاہ کے ہیں۔

یہاں تک کہ ۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطنت عثمانیہ ترکیہ کا تختہ الٹ دیا اور خلافت کا خاتمہ کر کے خود ترکی کے صدر بن گئے۔

اس موقع پر ایک لطیفہ ہوا، ہندوستان کے مسلم زعما جو تحریک خلافت چلا رہے تھے، مصطفیٰ کمال پاشا کی طرف سے خلافت کے منصب کو ختم کرنے پر بڑے پریشان ہوئے اور انہوں نے ایک وفد ترکی بھیج کر مصطفیٰ کمال پاشا سے یہ استدعا کی کہ وہ خلافت کے ادارہ کو ختم نہ کریں، آپ خود خلافت کا اعلان کر دیں ہم آپ کو خلیفہ مان لیں گے، لیکن مصطفیٰ کمال پاشا نے جواب دیا کہ جس وقت خلیفہ کا لفظ استعمال کیا گیا اس وقت اس کی ضرورت تھی اب اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی لہٰذا ہندوستان کے مسلم زعما کا وفد اپنا سا منہ لے کر واپس آ گیا۔

اس کے بعد سیاست کے میدان میں مغرب کی ثقافت کی یلغار نے، مسلمانوں کی پہلی حکومت کے طرفدار علماء اور دانشوروں کو، جو چودہ سو سال تک بادشاہوں کو خلیفہ کہتے رہے تھے اور انہیں قرآن کا اولی الامر قرار دے کر ان کی اطاعت کو واجب اور فرض عین کہا کرتے تھے۔ مجبور کر دیا کہ وہ مغرب کے جمہوری نظام اور جمہوریت کے مقابلہ میں سرخروئی حاصل کرنے کے لئے یہ کہیں کہ اسلام میں بادشاہت نہیں ہے بلکہ قرآن اور اسلام جمہوریت کا داعی ہے۔

چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی پہلی قائم شدہ حکومت کے ابتدائی حکمرانوں کی حکومت کو بھی جمہوری اور شورائی کہنا شروع کر دیا حالانکہ نہ وہ جمہوری تھی اوور نہ شورائی جیسا کہ ہم نے "شیوہ حکومت اسلامی" میں ثابت کیا ہے۔ اگر حاکم کا لوگوں سے مشورہ کرنا، شوریٰ یا جمہوریت ہو تو پھر کوئی بھی حاکم یا بادشاہ ایسا نہیں ہوا۔ جو اپنے مشیروں سے مشورہ نہ کرتا ہو خواہ وہ کتنا ہی مطلق العنان اور ڈکٹیٹر کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ملکہ سبا کے اپنے اعیان سلطنت سے مشورہ کرنے کا واضح طور پر ذکر موجود ہے۔

بہرحال مغرب کی ثقافت کی یلغار کے بعد چودہ سو سال تک بادشاہوں کو خلیفہ، اولی الامر، ظل اللہ اور ظل سبحانی کہنے والوں نے قرآن سے جمہوریت کے شواہد تلاش کرنے شروع کر دیئے اور جمہوریت کو عین اسلام ثابت کرنے کے لئے قرآن کی آیات کو اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا اور اس طرح پہلے ہر انسان کو خدا

کا نائب اور خدا کا خلیفہ کہنا شروع کر دیا' چنانچہ "جواہر اسلام" کے مولف لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجموعی حیثیت سے زمین پر اپنا نائب بنایا"۔

جواہر اسلام مرتبہ شیخ محمد اقبال: ص ۔ ۲۹۳

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:

"خلافت کا حق پوری ملت کو عطا ہوتا ہے' ملت کے سب افراد نظم و نسق میں حصہ دار ہوتے ہیں وہ باہم مشورہ کر کے اپنی رضا سے کچھ اختیارات ایک دیندار اور اہل شخص کو سونپ کر اسے رئیس اعلیٰ مان لیتے ہیں یہ شخص اصطلاحاً" خلیفہ کہلاتا ہے۔

جواہر اسلام مرتبہ شیخ محمد اقبال: ص ۔ ۲۹۴

یہ کتاب پاکستان کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں لازمی اسلامیات کے طور پر پڑھائی جا رہی ہے۔ اب حق کا متلاشی یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ اگر اسلام میں بادشاہت نہیں ہے تو جن علماء اور دانشوروں نے بلکہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے چودہ سو سال تک بادشاہوں کو خلیفہ قرار دے کر اور قرآن کا اولی الامر بتلا کر انہیں خلیفہ منوایا ان علماء دانشوروں بلکہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور اس امت کا کیا بنے گا۔

اگر گزشتہ چودہ سو سال تک بادشاہوں کو خلیفہ کہنے اور کہلوانے والے علماء صحیح تھے تو اب ہر انسان کو خدا کا خلیفہ کہنے والے علماء اور موجودہ امت کا کیا بنے گا کیونکہ اگر پہلے کے چودہ سو سال کے عمل کو صحیح مانا جائے تو موجودہ نظریہ کو غلط ماننا پڑے گا۔ یہ دونوں نظریے ایک ساتھ ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہو سکتے البتہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں نظریے ہی غلط ہوں اور صحیح نظریہ کوئی تیسرا نظریہ ہو جسے تعصب اور پہلے سے قائم کیا ہوا نظریہ قبول کرنے کی اجازت نہ دیتا ہو۔

ایک اور سوال جو خاص طور پر قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ گزشتہ چودہ سو سال کے عرصہ میں جو لوگ بادشاہوں کو خلیفہ کہتے رہے اور بادشاہت کو جائز سمجھتے رہے وہ بھی بزرگ دانشور علما و محدثین اور آئمہ مجتہدین ہیں بلکہ صحابہ و تابعین تبع تابعین بھی ہیں اور موجودہ صدی میں جمہوریت کا چرچا ہونے کے بعد بادشاہت کو اسلام کے خلاف اور جمہوریت کو اسلام کے مطابق اور ہر انسان کو خدا کا خلیفہ کہنے والے بھی

موجودہ صدی کے بزرگ دانشور علماء و مفکرین ہیں اور یہ سب کے سب اپنے مطلب پر قرآن سے سند لاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

احکام تیرے حق ہیں مگر ان کے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پاژند

ایسا کیوں ہے؟

ایسا اس وجہ سے ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی خود کو قرآن کا شاگرد بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ خود کو قرآن کا استاد بنانے کی کوشش کی، خود کو قرآن کے ماتحت نہیں مانا، بلکہ خود قرآن کو اپنے ماتحت بنایا، خود کو اس بات کے لئے آمادہ نہیں کیا کہ سالم قرآن سے غیر جانبدارانہ اور ایماندارانہ طور پر فیصلہ لے کر اس کو تسلیم کریں بلکہ جو کچھ تسلیم کر لیا تھا اس پر قرآنی آیات کو چپکانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی پہلی اور دوسری حکومت پر نظر پڑی اور کوئی اصول نظر نہ آیا تو یہ کہا کہ اہل حل عقد میں سے کسی ایک آدمی کا کسی کو خلیفہ بنا دینا کافی ہے جیسا کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر بنایا۔

شرح مواقف:ص - ۲۵۲
مطابق نقل شرح نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین

اور جب یہ دیکھا کہ یہ بات بھی نہ بنی اور ایک آدمی فوج لے کر چڑھ دوڑا اور دوسرے کو مغلوب کر لیا تو یہ اصول قرار دیا:

"اگر کوئی شخص کسی پر غلبہ حاصل کر لے تو اس کی امامت قائم ہو جاتی ہے۔

شرح مقاصد ملا سعید الدین
مطابق نقل حیات القلوب جلد سوم

اور جب یہ دیکھا کہ بادشاہ کا وارث اس کا بیٹا اور اولاد ہوتی چلی جا رہی ہے تو پھر انہیں بھی خلیفہ، ظل اللہ اور ظل سبحانی کہنا شروع کر دیا اور جب مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت عثمانیہ کا تختہ الٹ دیا اور مغرب کی یلغار سے جمہوریت کا چرچا ہونے لگا تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام میں بادشاہت نہیں ہے بلکہ اسلام میں جمہوریت ہے اور ان سب نظریات پر قرآن کی آیات کو ہی چپکایا جاتا رہا۔

حالانکہ قرآن میں کوئی تضاد نہیں ہے پھر ایسا کیوں ہوا' اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک عقیدہ اور ایک نظریہ کو پہلے اپنایا' اور اپنے پہلے سے اپنائے ہوئے عقیدہ اور نظریہ پر قرآن کی کسی آیت یا کسی آیت کے ایک حصہ کو اس کے سیاق و سباق سے جدا کر کے اور سارے قرآن سے علیحدہ کر کے اور قرینہ کا خیال رکھے بغیر غلط طور پر اپنے پہلے سے قائم کردہ عقیدہ نظریہ یا جو کچھ اپنی طرف سے مان کر ثابت کرنا چاہتے ہیں اس پر دلیل کے طور پر چپکا دیا۔

حکومت کے سلسلہ میں ضابط اور اصولوں کے بدلتے رہنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی پہلی حکومت کسی اصول یا ضابط کے ماتحت قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ مسلمانوں کی پہلی حکومت قائم کرنے والوں نے پیغمبر کی حکومت کو ایک دنیاوی حکومت سمجھا اور یہ نعرہ لگا کر کہ نبوت اور حکومت کو ایک ہی خاندان میں نہ جانے دیں گے حکومت پر قبضہ کر لیا جو کسی اصول یا ضابط کا مرہون منت نہ تھا بلکہ پیغمبر کی حدیث شریف کے مطابق امارت کی حرص دنیا کی ہوس اور مذکورہ نعرہ کا مرہون منت تھا لہٰذا بعد میں مسلمانوں کی اس حکومت کے طرف داروں اور عقیدت مندوں کے لئے اصول بنانے میں مشکل آ پڑی اور پھر جو جس طرح بنتا چلا گیا اسی طرح سے ان کے اصول بدلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اب انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے تاکہ وہ اس طرح سے مغرب کے جمہوری نظام کے سامنے سرخروئی حاصل کر سکیں۔

خلافت کے بارے میں غور طلب امور

تمام انسانوں کی خلافت کے بارے میں جن آیات کو دلیل بنایا گیا ہے ان میں سے ایک آیت تو وہ ہے جس میں آدمؑ کو خلیفہ بنانے کا بیان ہوا ہے۔ دوسری آیت وہ ہے جس میں داؤدؑ کو خلیفہ بنانے کا ذکر ہے اور تیسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں مختلف اقوام کے بارے میں خلفاء خلائف' مستخلفین' یستخلفکم اور لیستخلفنهم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ان ساری آیات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ خدا نے انسانوں کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ لہٰذا اب تحقیق طلب امور یہ ہیں:

۱۔ کیا واقعاً" خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا تھا؟
۲۔ کیا واقعاً" داوُدؑ خدا کے خلیفہ تھے؟
۳۔ کیا واقعاً" ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے؟
اب ہم ان امور کے بارے میں علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت غور کرتے ہیں اور ان سوالات کا جواب قرآن سے تلاش کرتے ہیں۔

کیا واقعاً" خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا تھا؟

آدم کی خلافت کے بارے میں جو آیات قرآن میں آئی ہیں وہ یکجائی طور پر سورۃ البقرہ میں آیہ ۳۰ سے آیہ ۳۳ تک وارد ہوئی ہیں جو اس طرح ہیں:

"و اذ قال ربک للملائکتہ انی جاعل فی الارض خلیفہ' قالو اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یفسک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک' قال انی اعلم مالا تعلمون و علم ادم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملائکتہ فقال انبئونی باسماء ھولاء ان کنتم صادقین
قالوا سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم
قال یادم انبئھم باسمائھم فلما انباھم باسمائھم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموت والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون

البقرۃ ۔ ۳۰ تا ۳۳

اور اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں خلیفہ مقرر کروں گا (فرشتوں) نے کہا کیا تو ان کو خلیفہ مقرر کرے گا جو اس میں فساد اور خونریزی کر رہے ہیں اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور ہم تیرے لئے (زمین کو) پاک و پاکیزہ بنا رہے ہیں۔ خدا نے فرمایا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

اور آدم کو کل کے کل نام تعلیم کئے' پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور

یہ کہا کہ مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

فرشتوں نے کہا تیری ذات (ہر عیب سے) پاک ہے جو کچھ تو نے ہمیں سکھایا تھا اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں ہے بے شک تو صاحب علم اور حکمت والا ہے۔

خدا نے فرمایا' اے آدم اب تم ان کو ان کے ناموں سے آگاہ کر دو جب آدم نے ان کو ان سب کے ناموں سے آگاہ کر دیا تو خدا نے کہا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم رکھتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کر رہے تھے میں وہ بھی جانتا ہوں اور جو تم چھپا رہے تھے وہ بھی۔

آیئے اب ان آیات کے متن میں غور کرتے ہیں اور اصل حقیقت تک پہنچنے کے لئے تمام الفاظ کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں۔

"و اذ قال ربک للملائکۃ"

ان آیات میں سب سے پہلا فقرہ "و اذ قال" ہے یعنی اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے فرشتوں سے یہ کہا۔

یہ کب کہا؟ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آدم کی خلقت کے بعد کہا' بعض نے کہا ہے کہ آدم کی خلقت سے پہلے کہا' بعض نے کہا ہے کہ جب خدا نے آدم کی خلقت کا ارادہ کیا اس وقت کہا۔

آیات کے متن میں غور کرنے سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اگر آدم کی خلقت سے مراد آدم کا جسد بشری ہو تو یقیناً وہ ابھی تک خلق نہیں ہوا تھا اور اگر آدم کی خلقت سے مراد روح آدم ہو تو وہ یقینی طور پر دوسری تمام ارواح کے ساتھ اس اعلان سے ہزارہا سال پہلے خلق ہو چکی تھی اور خدا کے علم غیب اور آسمانوں کے پردہ غیب میں سکونت پذیر تھی۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ جب خدا نے آدم کو زمین پر زمین میں رہنے والے فرشتوں کا جانشین بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو اس وقت فرشتوں کے سامنے یہ اعلان فرمایا۔

"ربک"

اس آیت میں ایک لفظ خاص طور پر قابل غور ہے اور وہ "ربک" ہے یعنی تیرا رب' خدا تعالیٰ نے "و اذ قال اللہ" نہیں کہا بلکہ "ربک" کہا اور صاحبان علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ "رب" خدا کا وہ صفاتی نام ہے جو تربیت کرنے' تدبیر

کرنے اور ساری کائنات کو ادارہ کرنے پر دلالت کرتا ہے یعنی "ربک" کہہ کر یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ کام اس کی تدبیر اور ادارہ کرنے سے متعلق ہے اور کسی اور کا اس میں عمل دخل نہیں ہے۔

"للملائکتہ"

دوسرا لفظ جو اس آیت میں قابل غور ہے وہ للملائکتہ ہے یعنی فرشتوں سے' اس لئے آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ ان فرشتوں کی صفات و خصوصیات کیا ہیں؟ ان فرشتوں سے کون سے فرشتے مراد ہیں؟ اور ان فرشتوں کے سامنے یہ اعلان کیوں کیا گیا؟
اس اعلان کے سلسلہ میں فرشتوں کے بارے میں کم از کم مذکورہ تین سوالوں کا جواب معلوم کرنا انتہائی ضروری ہے' لہٰذا ہم ان سوالوں کا ترتیب وار جواب معلوم کرتے ہیں:

ا۔ فرشتوں کی صفات و خصوصیات

خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کے لئے ہم قرآن کریم کی چار آیات ترجمہ کے ساتھ پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔
خدا تعالیٰ سورہ الانبیاء میں فرماتا ہے۔

و قالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانہ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون

الانبیاء۔ ۲۶۔۲۷

اہل مکہ کہتے ہیں کہ خدا نے (فرشتوں کو) اپنی اولاد (بیٹیاں) بنا رکھا ہے (معاذ اللہ) اس کی ذات اس سے پاک و پاکیزہ ہے بلکہ (وہ فرشتے تو خدا کے) معزز و مکرم بندے ہیں وہ تو اس کے آگے بڑھ کر بول بھی نہیں سکتے اور وہ اسی کے حکم پر چلتے ہیں۔
سورہ حم السجدہ میں فرماتا ہے۔

فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون لہ باللیل والنھار وھم لا یسئمون

حم السجدہ ۔ ۳۸

پس اگر یہ لوگ سرکشی کریں (تو خدا کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے) جو (فرشتے) تیرے پروردگار کی بارگاہ میں ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ اس سے تھکتے نہیں ہیں۔

سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے۔

تکاد السموت یتفطرن من فوقھن والملائکتہ یسبحون بحمد ربھم و یستغفرون لمن فی الارض الا ان اللہ ھو الغفور الرحیم

الشوریٰ ۔ ۵

(ان کی ان باتوں سے کہ خدا کے اولاد ہے) قریب ہے کہ سارے آسمان ہیبت کے مارے اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور زمین پر رہنے والوں کے لئے طلب مغفرت کرتے ہیں' آگاہ رہو کہ خدا یقیناً" بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

سورہ التحریم میں ارشاد باری ہے۔

لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یومرون

التحریم ۔ ۶

خدا ان فرشتوں کو جو حکم دیتا ہے اس میں خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں ملتا ہے اسے وہ بجا لاتے ہیں۔

مذکورہ آیات کے مطالعہ سے خود خدا کے نزدیک فرشتوں کی جو صفات و خصوصیات ثابت ہوئی وہ یہ ہیں:

۱۔ فرشتے اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے۔

۲۔ جو حکم وہ دیتا ہے فرشتے اس پر عمل کرتے ہیں۔

۳۔ فرشتے خدا کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔

۴۔ فرشتے دن رات اس کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں اور اس کی تسبیح کرتے سے تھکتے نہیں ہیں۔

۵۔ فرشتے خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔

بالفاظ دیگر فرشتے بالکل معصوم ہوتے ہیں اور امیر المومنین کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرشتے عقل تو رکھتے ہیں لیکن خواہشات نہیں رکھتے۔

ان فرشتوں سے کون سے فرشتے مراد ہیں

آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ ان فرشتوں سے، جن کے سامنے آدم کی خلافت کا اعلان فرمایا، کون سے فرشتے مراد ہیں۔ امام علی بن الحسین" حضرت ابن العابدین کی ایک دعا خصوصیت کے ساتھ فرشتوں کے بارے میں ہے۔ اس دعا میں فرشتوں کی چند اقسام نام بنام بیان کی گئی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

فرشتوں کی اقسام

حضرت علی ابن الحسین نے اپنی اس دعا میں جو صحیفہ سجادیہ میں ہے۔ دس فرشتوں کو تو نام کے ساتھ یاد کیا ہے جو یہ ہیں:

۱۔ جبرائیل، ۲۔ میکائیل، ۳۔ اسرافیل، ۴۔ عزرائیل (ملک الموت)، ۵۔ روح۔ القدس)، ۶۔ منکر، ۷۔ نکیر، ۸۔ رومان، ۹۔ رضوان، ۱۰۔ مالک

ان کے علاوہ ملائکہ کی حسب ذیل چودہ اقسام بیان فرمائی ہیں: ۱۔ حاملان عرش، ۲۔ ملائکہ حجب، ۳۔ ملائکہ سماوات، ۴۔ ملائکہ روحانیین، ۵۔ ملائکہ مقربین، ۶۔ ملائکہ رسل، ۷۔ ملائکہ مدبرات، ۸۔ ملائکہ حفظہ، ۹۔ ملائکہ کاتبین، ۱۰۔ ملائکہ موت، ۱۱۔ ملائکہ طائفین، ۱۲۔ ملائکہ حشر، ۱۳۔ ملائکہ جہنم، ۱۴۔ ملائکہ بہشت

ملائکہ کی یہ اقسام تو وہ ہیں جن کا اس دعا میں تذکرہ ہے۔ ان کے علاوہ اور کتنی اقسام ہیں ان کا احاطہ اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا "وما یعلم جنود ربک الا ھو" تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

فرشتوں کی مذکورہ اقسام وہ ہیں جن کا ذکر خدا نے خود قرآن میں فرمایا ہے مثلاً چھٹی قسم ملائکہ رسل ہے یعنی وہ فرشتے جو پیغام بری کا کام انجام دیتے ہیں چنانچہ

قرآن میں آیا ہے۔

الحمد للہ فاطر السموت والارض جاعل الملائکۃ رسلا

فاطر۔ ۱

سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور فرشتوں کو اپنا رسول بنا کر بھیجنے والا ہے۔

فرشتوں کی ان صفات و خصوصیات و اقسام کو دیکھتے ہوئے' میں ان تمام مفسرین و مفکرین اور دانشوروں سے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ فرشتے خدا کے سامنے اکڑ گئے یا فرشتوں نے خدا پر اعتراض کیا یا کم سے کم اور نرم سے نرم الفاظ میں یہ کہا کہ فرشتوں نے اپنا استحقاق جتایا اور یہ کہا کہ اگر حدف تسبیح و تقدیس اور حمد بجا لانا ہے تو وہ ہم بجا لا رہے ہیں اس لئے ہمیں خلیفہ بنا دے۔ معذرت کے ساتھ یہ عرض کروں گا کہ انہوں نے فرشتوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

کیونکہ فرشتے تو معصوم ہوتے ہیں وہ تو اپنے ارادہ و اختیار سے کوئی کام ہی نہیں کرتے وہ کوئی خواہش نہیں رکھتے وہ تو نظام کائنات کو چلانے کے لئے خدا کے لئے ایک آلہ کے طور پر کام انجام دے رہے ہیں لیکن ان سارے مفسرین کے اس نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اعلان خلافت سن کر سارے فرشتے تڑپ اٹھے وہ ارادہ و اختیار کے خود سے مالک بن گئے ان میں خواہشات پیدا ہو گئیں اور خلافت جو ان مفسرین و مفکرین کے نزدیک بہت ہی عظیم منصب ہے لینے کے لئے ایسے بے چین ہوئے کہ نظام کائنات چلانے کے لئے جس جس منصب پر انہیں فائز کیا ہوا تھا اسے چھوڑنے اور استعفی دینے کے لئے تیار ہو گئے اور کم از کم وہ فرشتے جو قرب خدا اور عظیم کاموں کے انجام دینے پر مامور ہیں سب سے اول تو ان فرشتوں نے خود کو اس کا مستحق سمجھا ہو گا لہذا جبرئیل اپنا منصب چھوڑ کر' میکائیل اپنا منصب چھوڑ کر' اسرافیل اپنا منصب چھوڑ کر' عزرائیل اپنا منصب چھوڑ کر' روح القدس اپنا منصب چھوڑ کر' منکر و نکیر اپنا منصب چھوڑ کر' رومان اپنا منصب چھوڑ کر' رضوان اپنا منصب چھوڑ کر' مالک اپنا منصب چھوڑ کر خلافت کے عظیم منصب کو حاصل کرنے کے لئے بڑھ بڑھ کو بولنے لگے ہوں گے۔ اس کے علاوہ حاملان عرش نے کہا ہو گا اے خدا

تو جان اور تیرا عرش جانے پس ہمیں تو زمین کی خلافت دے دے' اسی طرح ملائکہ حجب' ملائکہ سموت' ملائکہ روحانیین' ملائکہ مقربین' ملائکہ رسل' ملائکہ مدبرات' ملائکہ حفظ' ملائکہ کاتبین' ملائکہ موت' ملائکہ طائفین' ملائکہ حشر' ملائکہ جہنم اور ملائکہ بہشت نے کہا ہو گا کہ خداوندا ان کاموں سے ہمارا استعفیٰ لے اور ان کاموں پر کسی اور کو لگا دے ہمیں تو یہ عظیم منصب عطا کر دے۔ درباری علماء حکمرانوں کو خوش کرنے کے لئے بڑے بڑے پاپڑ بیلتے ہیں مگر مسلمان علماء و مفسرین و مفکرین نے ان بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے جو خود کو خلیفہ کہلاتے تھے جتنا جھوٹ بولا ہے اور جس طرح قرآن کو غلط طور پر اپنے مطلب کے لئے استعمال کیا ہے کسی بھی حکمران کو خوش کرنے کے لئے کسی کی طرف سے ایسی مثال نہیں ملتی۔

مذکورہ اعلان کونسے فرشتوں کے سامنے کیا؟

اگرچہ بعض مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ خدا نے سارے فرشتوں کے سامنے یہ اعلان کیا تھا لیکن بعض مفسرین و مفکرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ اعلان ان فرشتوں کے سامنے کیا گیا تھا جو زمین پر ساکن تھے اور اس نظریہ کی بعض اسلامی روایات سے بھی تائید ہوتی ہے پہلے نظریہ کی خرابی اوپر کے عنوان میں معلوم ہو چکی لہٰذا آیئے اب اس دوسرے نظریے کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں۔ لیکن اس تحقیق کے لئے ہمیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ کیا آدم کو زمین پر خلیفہ بنا کر بھیجنے سے پہلے فرشتے زمین پر ساکن تھے بھی یا نہیں اور اگر تھے تو وہ کس کام پر مامور تھے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آدمؑ کو خلق کرنے سے بہت پہلے جنوں کو خلق فرمایا تھا اور وہ آدم علیہ السلام سے پہلے زمین پر آباد چلے آ رہے تھے چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ:

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حمإ مسنون والجان خلقنه من قبل من نار السموم

الحجر۔ ۲۷

ہم نے انسانوں کو تو کھنکناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے اور انسانوں سے پہلے ہم نے جنوں کو بھڑکتی ہوئی آگ سے پیدا کیا تھا۔

قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہوا کہ جن انسانوں سے پہلے زمین پر آباد تھے۔ اور جنوں کے بارے میں قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ جنوں کی پیدائش کا ہدف اور مقصد بھی وہی تھا جو انسانوں کی خلقت کا ہدف و مقصد ہے۔

"و ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون"

الذاریات ۔۵۶

اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کے لئے۔

پس جن بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں اور وہ بھی انسانوں کی طرح حشر و نشر رکھتے ہیں اور انسانوں کی طرح ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں اور اس پر قرآن کی یہ آیت گواہ ہے۔

"وانا منا المسلمون و منا القاسطون"

الجن ۔ ۱۴

(جنوں کا کہنا یہ ہے کہ) اور ضرور ہم میں مسلمان اور فرمانبردار بھی ہیں اور ہم میں سے کچھ نافرمان ہیں۔

اور جنوں کا قرآن میں یہ قول بھی ہے کہ

وانا لما سمعنا الھدی امنا بہ۔

الجن ۔ ۱۳

اور ہم نے جب بھی ہدایت کی بات (یا کسی ہادی کے آنے کی خبر) سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور اسی لئے جب پیغمبر اکرمؐ تشریف لائے تو قرآن نے جنوں کے ان پر ایمان لانے کی اس طرح سے خبر دی۔

"قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا" ○ یھدی الی الرشد فامنا بہ ولن نشرک بربنا احدا" ○

الجن ۔ ۱۔۲

اے میرے حبیب تم یہ کہ دو کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں میں سے کچھ لوگوں نے کان لگا کر سنا پھر یہ کہا کہ بیشک ہم نے عجب کتاب سنی ہے جو نیکی کی

طرف ہدایت کرتی ہے۔ پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کا ہرگز کسی کو شریک نہ کریں گے۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ جنوں اور انسانوں دونوں کی غرض خلقت ایک ہے - دونوں کے دونوں مکلف ہیں۔ دونوں کے دونوں حشر و نشر رکھتے ہیں اور دونوں کے دونوں اجر و ثواب اور عذاب و عقاب کے حقدار ہوں گے اور اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے دونوں کی ہدایت کے لئے رسول بھیجے تھے جو خداوند تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے کہ:

یا معشر الجن والانس الم یا تکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی و ینذرونکم لقاء یو مکم ہذا۔

الانعام ـ ۱۳۰

(خداوند تعالیٰ روز محشر سوال کرے گا کہ) اے جنوں اور انسانوں کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے رسول نہیں آئے تھے کہ وہ تم کو میرے احکام سناتے' اور آج قیامت کے دن سے تمہیں ڈراتے۔

اس آیت سے واضح طور پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جنوں میں سے کسی جن کو بھی انکی ہدایت کے لئے اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا جس کی دلیل "رسل منکم" ہے۔

جنوں کے رسول

جیسا کہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ جنوں میں سے بھی خدا نے کسی جن کو جنوں کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا ایسا ہی ایک اسلامی روایت سے بھی جو امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ اسلام سے منقول ہے۔ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جنوں کے پاس بھی کسی جن کو اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا جس کا نام یوسف تھا لیکن جنوں نے اس کو قتل کر دیا۔

عیون اخبار الرضا

چونکہ جنوں کے بارے میں کوئی تاریخ نہیں ملتی لہٰذا وثوق کے ساتھ تو نہیں کہا

جا سکتا کہ خداوند تعالیٰ نے یہ جن رسول ان جنوں کے پاس کب بھیجا تھا لیکن سورۃ انعام کی مذکورہ آیت نمبر ۱۳۰۔ جو جنوں میں کے رسول کی بات کرتی ہے۔ سے اگلی آیت نمبر ۱۳۱ کے مضمون سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب جنوں کا فساد فی الارض کشت و خون اور قتل و غارت گری انتہا کو پہنچ گئی اور خداوند تعالیٰ نے انہیں اپنے عذاب سے معذب کرنا چاہا ہو گا تو انہیں عذاب دینے سے پہلے ان کی ہدایت کے لئے اپنا رسول ضرور بھیجا ہو گا تاکہ غفلت میں نہ مارے جائیں۔ خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی اسی سنت کو بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ:

"ذالک ان لم یکن ربک مهلک القری بظلم واهلها غافلون

خداوند تعالیٰ اپنے رسولوں کو اس لئے بھی بھیجتا ہے کہ وہ بستیوں کے رہنے والوں کو ان کے ظلم کی بنا پر ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ وہ ان کے پاس کسی رسول کو بھیج کر انکو ہدایت نہ کردے تاکہ وہ بے خبری میں نہ مارے جائیں۔

ایک اور آیت میں خداوند تعالیٰ نے اپنی اس سنت کو اس طرح سے بیان کیا ہے کہ:

"وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا"

اور ہم کسی پر بھی عذاب نازل نہیں کیا کرتے جب تک کہ ان کے پاس کسی رسول کو بھیج کر اتمام حجت نہ کرلیں۔

لہذا جب جنوں کی طرف سے کشت و خون اور قتل و غارتگری اور فساد فی الارض کی انتہا ہو گئی تو ضرور بالضرود خدا نے ان پر اپنا عذاب نازل کرنے سے پہلے اپنی اسی سنت کے مطابق کسی رسول کو انکی ہدایت کے لئے ضرور بھیجا ہو گا اور جب انہوں نے اس رسول کو جو خود انکی اپنی قوم جن سے تھا قتل کر دیا تو خدا نے اپنی اسی سنت کے ماتحت اپنے کچھ فرشتوں کو تعینات کیا جنہوں نے ان جنوں کو زمین سے باہر نکال کر بے دخل کر دیا اور خود زمین پر سکونت اختیار کر کے خداوند تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہو گئے جیسا کہ آئمہ اہل بیت کی ایک تفسیر میں بیان ہوا ہے۔

حیات القلوب جلد اول ص ۳۲

قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ جن خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے جو یا تو اس رسول کی ہدایت سے ایمان لائے ہوں جو ان کی ہی قوم جن سے تھا اور انکی

ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا اور انہیں میں جنوں کا سردار ابلیس بھی تھا جو ملائکہ کی صحبت اختیار کر کے ان کے ساتھ ہی رہنے لگا تھا اور ملائکہ کی طرح عبادت خداوند تعالیٰ میں مصروف ہو گیا تھا یا خدا نے ان فرشتوں کو پہلے ان جنوں کو ہدایت کرنے کا فریضہ سپرد کیا ہو تاکہ عذاب نازل کرنے سے پہلے جو ایمان لانا چاہے وہ ایمان لے آئے لہٰذا کچھ جن ان فرشتوں کی ہدایت سے ایمان لے آئے ہوں اور وہ فرشتوں ہی کے ساتھ رہنے لگے ہوں جن میں جنوں کا سردار ابلیس بھی تھا اور باقی جن جو سرکشی پر ڈٹے رہے فرشتوں نے ان کو زمین سے باہر نکال دیا اور خود زمین میں سکونت اختیار کر کے خداوند تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہو گئے"۔

حیات القلوب، ج ۔ ۱، ص ۔ ۳۲

ابلیس فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا

ابلیس کے فرشتوں کی صحبت میں رہنے اور فرشتوں کی طرح سے فرشتوں کے ساتھ عبادت خداوند تعالیٰ میں مصروف رہنے کے بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے اور نہ ہی اس کے ایمان لانے پر کسی کو اختلاف ہے جیسا کہ مولانا مودودی نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد اول میں "کان من الکافرین" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

ان الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً" ابلیس سجدے سے انکار کرنے میں اکیلا نہ تھا بلکہ جنوں کی ایک جماعت نافرمانی پر آمادہ ہو گئی تھی اور ابلیس کا نام صرف اس لئے لیا گیا ہے کہ وہ ان کا سردار تھا اور اس بغاوت میں پیش پیش تھا لیکن اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ جنوں کی ایک جماعت پہلے سے ایسی موجود تھی جو سرکش و نافرمان تھی اور ابلیس کا تعلق اسی جماعت سے تھا اس تفسیر کی رو سے آیت کا مفہوم وو مطالب میں حصر کیا گیا ہے پہلے مطلب کی رو سے ابلیس کے ساتھ جنوں کی ایک جماعت بھی ایمان لائے ہوئے تھی لیکن سجدہ آدم کے مسئلہ پر نافرمان اور سرکش ہو گئی اور ابلیس کا نام صرف اس لئے لیا گیا کیونکہ وہ انکا سردار تھا۔ اور دوسرے مطلب کی رو سے صرف ابلیس ایمان لایا تھا لیکن جس جماعت سے وہ تعلق رکھتا تھا وہ

بدستور سرکش اور نافرمان تھی

ابلیس نے سرکشی کیوں اختیار کی؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب یہ امر مسلمہ ہے کہ ابلیس ایمان لائے ہوئے تھا خواہ وہ اس رسول کی ہدایت سے ایمان لایا ہو جو اسی کی قوم جن سے تھا یا اب فرشتوں کی ہدایت سے ایمان لایا ہو بہرحال وہ ایمان لا چکا تھا اور فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا اور فرشتوں کی طرح عبادت میں ایسا مگن رہتا تھا کہ اس پر فرشتہ ہونے کا گمان ہونے لگا تھا تو اس نے سرکشی و نافرمانی کیوں اختیار کی۔

ائمہ اہل بیت کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ "جب خداوند تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کار ہدایت انجام دینے کے لئے زمین پر بھیجنے کا ارادہ کیا تو خداوند تعالیٰ نے ان فرشتوں سے جو زمین پر سکونت پذیر تھے یہ کہا کہ اب میں تمہیں اوپر بلا رہا ہوں اور زمین پر تمہاری جگہ تمہارا ایک جانشین یعنی خلیفہ بنا رہا ہوں"۔

مذکورہ روایت ہم نے تائید کے طور پر لکھ دی ہے ورنہ خدا کے قول "اذقال ربک للملائکتہ انی جاعل فی الارض خلیفہ" کا صحیح مفہوم یہی ہے جو اس روایت میں بیان ہوا ہے بہرحال اس وقت زمین پر خدا کی مخلوقات میں سے عقل و شعور رکھنے والی صرف دو اصناف یعنی فرشتے اور جن ہی موجود تھے لہٰذا فرشتوں نے بجا طور پر یہ سمجھا کہ ان کو اوپر بلانے کی صورت میں روئے زمین پر چونکہ جنوں کے سوا اور کوئی مخلوق موجود نہیں ہے جن میں سے کسی کو انکا جانشین و خلیفہ بنایا جا سکے لہٰذا ان میں سے ہی کسی کو انکا جانشین و خلیفہ بنایا جا سکے گا۔ اور فرشتوں نے جنوں کا فساد فی الارض سرکشی و نافرمانی کشت و خون اور قتل و غارت گری بچشم خود کھلی آنکھوں سے دیکھی تھی اور وہ یہ بات اچھی طرح سے جانتے تھے کہ کوئی غیر معصوم انکا جانشین و خلیفہ بننے اور کار ہدایت انجام دینے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا انی جاعل فی الارض خلیفہ کا اعلان سنتے ہی انہوں نے بجا طور پر یہ پوچھا تھا کہ کیا تو انہیں میں سے کسی کو ہمارا جانشین و خلیفہ بنا دے گا جو فساد فی الارض کشت و خون اور قتل و غارت گری کریں گے جیسا کہ یہ پہلے کرتے رہے ہیں۔ فرشتے عالم الغیب تو تھے نہیں اور نہ ہی

انہیں اس بات کا کوئی علم تھا کہ عالم ارواح میں سے ایک نئی مخلوق کو انکا جانشین بنا کر بھیجا جائے گا اسی وجہ سے انہوں نے ایک اصول کی بات کہی تھی اور وہ یہ تھی کہ کوئی غیر معصوم کسی معصوم کا جانشین بننے کا اہل نہیں ہوتا اور ایسا شخص جو پہلے سرکش و نافرمان رہا ہو وہ ایمان تو لا سکتا ہے لیکن معصوم نہیں بن سکتا۔ اور اسی وجہ سے خدا نے ان سے یہ کہا تھا کہ جنہیں تم سمجھ رہے ہو میں ان میں سے کسی کو تمہارا جانشین نہیں بناؤں گا۔ بلکہ میں جسے تمہارا خلیفہ و جانشین بنا رہا ہوں اس کے بارے میں تو تم کچھ جانتے ہی نہیں اور انی اعلم مالا تعلمون کا مطلب یہی ہے افسوس کی بات یہ ہے کہ جس اصول کی بنا پر فرشتوں نے وہ بات کہی تھی اس کی طرف تو کسی نے توجہ ہی نہیں دی اور غیر متعلقہ بحث میں الجھ گئے۔ کیونکہ فرشتوں کے کہنے کا مقصد تو یہ تھا کہ کوئی شخص جو کبھی بھی فاسق و فاجر اور غیر معصوم رہا ہو وہ انکا جانشین نہیں بن سکتا مگر چودہ سو سال تک بنی امیہ اور بنی عباس کے بادشاہوں کو خلیفہ کہنے والے علماء اور دانشوروں نے اسکا یہ مطلب بنایا کہ بیشک وہ فاسق ہو فاجر ہو فساد فی الارض کرنے والا ہو۔ قتل و غارتگری اور کشت و خون کرنے والا ہو اور چاہے جتنا بھی بڑے سے بڑا گنہگار ہو مگر میں نے اسے ایسی صلاحیتوں کا مالک بنایا ہے کہ جسے تم نہیں جانتے مگر میں ان صلاحیتوں سے واقف ہوں لہٰذا میں اس کے فسق و فجور اور فساد فی الارض کے باوجود اسی کو تمہارا نہیں بلکہ اپنا خلیفہ بناؤں گا۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ کا اعلان سنکر جہاں فرشتے یہ سمجھے تھے کہ چونکہ انکے اوپر بلائے جانے کے بعد زمین پر جنوں کے سوا "کوئی اور مخلوق ہے ہی نہیں لہٰذا ان ہی میں سے کسی کو انکا جانشین و خلیفہ بنایا جائے گا۔ وہاں ختما" ابلیس نے بھی اس سے یہی نتیجہ نکالا کہ فرشتوں کے اوپر بلائے جانے کے بعد اسی کو فرشتوں کا جانشین و خلیفہ بنایا جائے گا۔ کیونکہ وہ جنوں کا سردار ہے۔ خدا پر ایمان لائے ہوئے ہے فرشتوں کے ساتھ ہی خدا کی عبادت میں مصروف ہے اور ہر وقت فرشتوں کی صحبت میں رہتا ہے اور فرشتوں کا انتہائی قریبی صحابی ہے لہٰذا اس کے سوا فرشتوں کا جانشین و خلیفہ اور کوئی نہیں بن سکتا لیکن جب فرشتوں سے خدا نے یہ کہا کہ انی اعلم مالا تعلمون جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے جسکا واضح مطلب یہ تھا کہ جن کو تم نے سمجھا ہے میں ان میں سے کسی کو تمہارا جانشین و خلیفہ نہیں بناؤں گا۔ تو جہاں فرشتوں کو یہ اطمینان ہو گیا

کہ ان فساد فی الارض کے عادی اور کشت و خون اور قتل و غارتگری کرنے والے جنوں میں سے کسی کو انکا جانشین نہیں بنایا جائے گا وہاں ابلیس کو بھی جو فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا یہ یقین ہو گیا کہ خدا اسکو فرشتوں کا جانشین نہیں بنائے گا بلکہ کسی اور کو فرشتوں کا جانشین بنا کر بھیجے گا لہذا وہ اپنے خلیفہ بنائے جانے کی طرف سے مایوس ہو گیا اور دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ جسکو بھی خدا انکا جانشین بنا کر بھیجے گا میں اسکی اطلاعت نہیں کروں گا۔ اور اس مایوسی کی بنا پر خدا نے اسکا نام ابلیس رکھا جس کے معنی ہیں "انتہائی مایوس" جیسا کہ مولانا مودودی نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ

(۳۶) ابلیس : لفظی ترجمہ "انتہائی مایوس"

یہ اس جن کا نام ہے جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے آدم اور بنی آدم کے لئے مطیع و مسخر ہونے سے انکار کر دیا اور اللہ سے قیامت تک کے لئے مہلت مانگی کہ اسے نسل انسانی کو بہکانے اور گمراہیوں کی طرف ترغیب دینے کا موقع دیا جائے اسی کو "الشیطان" بھی کہا جاتا ہے۔

اب ہم ایک دوسرے انداز سے غور کرتے ہیں کہ اس رسول کے آنے کے بعد جو جنوں ہی کی قوم سے تھا اور جن تھا اور آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے سے پہلے کے درمیانی عرصہ میں جو قرآن کے مطابق بہت طویل اور لمبا عرصہ ہے جنوں کو کسی ہدایت کی ضرورت تھی یا نہیں۔

جنوں کو بھی ہدایت کی ضرورت تھی

جب یہ ثابت ہو گیا کہ "جن زمین پر انسانوں سے پہلے آباد تھے اور وہ بھی انسانوں کی طرح مکلف تھے اور قدرت کی نظر میں انکی خلقت کا مقصد بھی انسانوں کی طرح عبادت ہی تھا تو ضروری ہے کہ قدرت نے ان کی ہدایت کا کوئی انتظام بھی کیا ہو گا کیونکہ ارشاد قدرت یہ ہے:

"ان علینا للھدیٰ وانا لنا لاخرہ والاولیٰ"

(مکلفین کے لئے) ہدایت کا انتظام کرنا ہماری ہی ذمہ داری ہے اور دنیا و آخرت

کے مالک ہم ہی ہیں۔

تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ آدم سے پہلے زمین پر جن آباد تھے اور وہ بھی انسانوں کی طرح مکلف تھے لہذا انکو بھی ہدایت کی ضرورت تھی اور خدا ہدایت کے بغیر ان سے باز پرس نہیں کر سکتا تھا پس جس طرح آدم کے بعد انسانوں میں کے ہادی انکے لئے بھی ہادی تھے اور وہ ان پر ایمان لاتے تھے جیسا کہ وہ پیغمبر خاتم پر اور قرآن پر ایمان لائے اسی طرح آدم سے پہلے بھی انہیں ہدایت کی ضرورت تھی اور آدم سے پہلے بھی ضرور ضرور ان کے پاس ہدایت کرنے والے آئے تھے لہذا خدا نے جن فرشتوں کے سامنے آدم کی خلافت کا اعلان کیا وہ وہی ملائکہ رسل تھے جو جنوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور خدا نے جنوں کی ہدایت کے لئے اس وقت مذکورہ فرشتوں کو ہی مقرر کیا ہوا تھا جیسا کہ خود خدا نے فرشتوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"ونحن نسبح بحمدک و نقدس لک"

"اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور زمین کو تیرے لئے پاک و پاکیزہ بنا رہے ہیں۔"

آیت کے اس حصہ سے بعض مفسرین نے یہ سمجھ لیا جیسا کہ فرشتوں نے کسی دھاگہ میں دانے پروئے ہوئے تھے اور دانے پر دانہ ڈال کر سبحان اللہ ' سبحان اللہ ' سبحان اللہ اور الحمد للہ ' الحمد للہ ' الحمد للہ کا ورد کر رہے تھے۔ لیکن "نقدس لک" کے بارے میں یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ یہاں "نقدسک" نہیں ہے بلکہ "نقدس لک" ہے یعنی تیرے لئے اس چیز کو پاک و پاکیزہ بنا رہے ہیں جس پر وہ ہیں یعنی زمین کو پاک و پاکیزہ بنا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں "نسبح" فعل مضارع ہے جو اپنے لغوی معنی دے رہا ہے یعنی فرشتوں نے دراصل یہ کہا ہے کہ ہم تیری توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں ہم تیری صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ بیان کر رہے ہیں یعنی ہم تیری صفات جلال اور صفات جمال و کمال سے تیری مخلوق کو آگاہ کر رہے ہیں اور ازمین سے کفرو شرک و نفاق کے مٹانے اور تیری زمین کو پاک و پاکیزہ بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور دراصل اگر کوئی شخص یہ کہہ رہا ہو کہ خدا کا کوئی شریک نہیں ہے وہ مرکب نہیں ہے وہ کسی میں حلول نہیں کرتا وہ کسی مکان میں محدود نہیں ہے وغیرہ وغیرہ تو یہ شخص حقیقت میں خدا کی پاکی بیان کر رہا ہے اور اسے ہر عیب سے پاک قرار دے رہا ہے

اور یہی حقیقت میں اسکی تسبیح ہے۔ چاہے زبان سے سبحان اللہ سبحان اللہ نہ بھی کہہ رہا ہو کیونکہ سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنا تو اسکو ہر نقص و عیب سے پاک جاننے کا اقرار ہے اور یہ کہنا کہ اسکا کوئی شریک نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اسکی پاکی بیان کرنا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہہ رہا ہے کہ خدا قدیم ہے، ازلی ہے، ابدی ہے، سرمدی ہے، حئی ہے، مدرک ہے وغیرہ وغیرہ تو حقیقت میں وہ اسکی حمد کر رہا ہے اور اس کے صفات جمال و کمال کو بیان کر رہا ہے چاہے زبان سے الحمد للہ، الحمد للہ نہ بھی کہہ رہا ہو۔ کیونکہ الحمد للہ کہنا تو اسکی صفات ثبوتیہ کا اقرار کرنا ہے اور اسے قدیم و ازلی و ابدی وغیرہ کہنا اسکی حمد بیان کرنا ہے اور فرشتوں نے یہی بات کہی تھی کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی کا بیان کر رہے ہیں گویا انہوں نے اپنا وظیفہ بیان کیا تھا کہ وہ اس وقت زمین کی موجودہ مخلوق کو ہدایت کرنے پر مامور ہیں اور انہیں ہدایت کر رہے ہیں بالفاظ دیگر یہ ملائکہ جنہوں نے مذکورہ بیان دیا تھا زمین پر بطور ہادی کے تعینات تھے اور یہاں سے اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے جو بطور اعتراض کے پیش کیا جاتا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں ابلیس کو یہ حکم نہیں دیا تھا کیونکہ وہ تو جنوں میں سے تھا: "**کان من الجن**" اور وہ آیت جس میں آدم کو سجدہ کا حکم دیا اس کے الفاظ یہ ہیں:

"واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس"

"یعنی جب ہم نے فرشتوں سے یہ کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا"

سوال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب ابلیس فرشتہ تھا ہی نہیں تو اسکو یہ حکم تھا ہی نہیں۔ لہذا اس نے کوئی نافرمانی نہیں کی۔ مفسرین نے اسکا مختلف انداز سے جواب دیا ہے منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جب خدا قرآن میں "یا ایھا الذین آمنوا" کہتا ہے تو اس میں مومن و منافق سب شامل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تشبیہ مع الفارق ہے۔ منافق ظاہر میں ایمان لائے ہوئے ہوتے ہیں اور یہاں بالفاظ واضح فرشتوں کو حکم ہے اور ابلیس کو بالفاظ واضح خدا نے "جن" کہا ہے: "کان من الجن" ا لکہف ۵۰۔ لہذا یہ جواب کچھ زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ درآنحالیکہ قرآن دو آیات میں واضح طور پر یہ کہتا ہے کہ ابلیس کو بھی یہ حکم دیا گیا تھا پہلی آیت میں کہتا ہے:

"کان من الجن ففسق عن امر ربہ" الکف ۵۰۔

"ابلیس قوم جن سے تھا اس لئے اس نے اپنے رب کے حکم سے نافرمانی کی"
اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم ابلیس کو بھی تھا دوسری آیت اس سے زیادہ واضح ہے جہاں فرماتا ہے:

"قال منعک الا تسجد اذ امر تک"

"خدا نے فرمایا: اے ابلیس جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روک دیا۔
اس آیت میں خدا واضح طور پر ابلیس سے کہہ رہا ہے "اذ امرتک" "جب میں نے تجھے حکم دیا تھا" لیکن اصل حکم کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے:

"واذقلنا للملائکۃ اسجدو الادم" البقرہ ۔۳۴

"جب ہم نے فرشتوں سے یہ کہا کہ آدم کو سجدہ کرو"
اور ابلیس کے بارے میں خود ہی یہ کہا ہے کہ:

"کان من الجن" الکف ۔۵۰

"وہ قوم جن سے تھا"

اب حکم فرشتوں کو ہو اور ابلیس قوم جن سے ہو تو حکم اسکو صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمین پر قوم جن ان فرشتوں کے تابع تھی اور وہ فرشتے جن کو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا زمین پر فرشتوں کی ہدایت کے لئے مامور تھے اور ہر ہادی کو دیا گیا حکم اس پر ایمان لانے والوں پر اسی طرح سے لاگو ہوتا ہے جس طرح سے اس رہبر و رہنما اور ہادی پر لاگو ہوتا ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبر کے بارے میں کہتا ہے:

"امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون" البقرہ ۔۲۸۵

"جو حکم بھی پیغمبر پر نازل کیا گیا اسپر ہمارا رسول بھی ایمان لایا ہے اور مومنین بھی ایمان لائے ہیں۔"
اسی طرح جب قرآن میں اپنے رسول کو یہ حکم دیتا ہے کہ:

"یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین" التوبہ ۔ ۷۳

"اے نبی کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کرو"

تو یہ جہاد پیغمبر پر ایمان لانے والوں پر بھی واجب ہو جاتا ہے اور جب قرآن میں اپنے پیغمبر کو یہ حکم دیتا ہے:

"واتموا الحج و العمرہ للہ"

"اے پیغمبر تم اللہ کے لئے حج اور عمرہ بجا لاؤ"

تو یہ حج اور عمرہ آپ کی امت پر بھی فرض ہو جاتا ہے اسی طرح سے جتنے احکام خدا اپنے بھیجے ہوئے ہادی کو دیتا ہے وہ احکام اس بھیجے ہوئے ہادی پر ایمان لانے والوں پر بھی واجب ہو جاتے ہیں۔ لہذا جب خدا نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ:

"واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لادم"

تو یہ حکم ابلیس پر بھی اس طرح لاگو ہو گیا' کیونکہ ابلیس وہ واحد "جن" تھا جو فرشتوں کی تبلیغ سے ایمان لے آیا تھا اور پکا موحد بن کر فرشتوں کی صحبت میں رہنے لگا تھا یعنی ابلیس ملائکہ کا اکلوتا صحابی تھا اور امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے قول کے مطابق اس نے ایک ہی سجدہ اتنا طویل کیا تھا کہ چھ ہزار سال تک سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تھا۔ پس فرشتوں کو دیا ہوا حکم ابلیس پر صرف اسی صورت میں لاگو ہو سکتا ہے جبکہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ فرشتے جن کے سامنے یہ اعلان کیا گیا ملائکہ کی اس قسم میں سے تھے جو "ملائکہ رسل" کہلاتے ہیں یہ زمین پر جنوں کی ہدایت کے لئے مامور تھے اور توحید کی تبلیغ کر رہے تھے اور سرکش' مشرک اور فسادی اور خونریزی کرنے والے جنوں کے سامنے خدا کی صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ کا بیان کر رہے تھے اور انہیں خدا کی صفات جلال اور صفات جمال و کمال کا درس دے رہے تھے۔

اس سارے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ مذکورہ اعلان جانشینی سارے فرشتوں کے سامنے نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ اعلان ان فرشتوں کے سامنے کیا گیا تھا جن کا آدم کو جانشین بنانا تھا اور جو زمین پر خدا کے مامور کردہ ہادی کے فرائض ادا کر رہے تھے اور اس بات کی تائید کہ یہ اعلان ان فرشتوں کے سامنے کیا گیا تھا جو زمین پر رہتے تھے۔ بعض اسلامی روایات سے بھی ہوتی ہے آئیے اب یہ دیکھتے ہیں کہ مذکورہ اعلان ان فرشتوں کے سامنے کیوں کیا؟

مذکورہ اعلان ان فرشتوں کے سامنے کیوں کیا؟

ان فرشتوں کے سامنے یہ اعلان کیوں کیا؟ ہم اس کو ایک سادہ مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی حاکم اپنے کسی نمائندے کو تبدیل کرتا ہے اور انکی جگہ کسی دوسرے نمائندہ کو بھیجتا ہے تو وہ اس بات کی اطلاع پہلے نمائندہ کو کرتا ہے کہ ہم نے تمہارا تبادلہ کر دیا ہے تم فلاں جگہ چلے جاؤ یا یہاں آجاؤ اور اپنے کام کا چارج اس آنے والے کے حوالہ کر دو۔ اگر کوئی حاکم اپنے سابقہ نمائندہ کو اطلاع نہ دے اور اپنا کوئی نیا نمائندہ بھیج دے جو پہلے کے نزدیک ہو بھی اجنبی تو وہ اسے ہرگز چارج نہیں دے گا لہٰذا ہر حاکم کے لئے لازم ہے کہ وہ نئے نمائندہ کے بارے میں سابقہ نمائندے کو اطلاع دے۔ چونکہ زمین پر یہ فرشتے بطور ہادی کے تعینات تھے اور اب خداوند تعالیٰ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ ان فرشتوں کو واپس بلا لے اور ان کی جگہ ایک دوسری مخلوق کو جو اس کے پردہ غیب میں خلق کی ہوئی عالم ارواح میں موجود ہے زمین پر بھیج دے، لہٰذا اسکا اعلان ان ہی فرشتوں کے سامنے کرنا تھا جن کو پہلے سے ہدایت کے لئے تعینات کیا ہوا تھا اور اب انکو واپس بلا رہا تھا اور انکی جگہ اس نئے ہادی کو بھیج رہا تھا۔

سجدہ آدم کی داستان مختلف عنوانات کے ساتھ

یہاں پر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے تاریخی واقعات قصے اور داستانیں کئی کئی عنوانات کے ساتھ بیان کی ہیں چنانچہ سجدہ آدم کی داستان بھی قرآن کریم میں کئی عنوانات سے بیان ہوئی ہے۔ موضوع اگرچہ سجدہ آدم ہی ہے لیکن ہر آیت میں ایک نئی بات بیان ہوئی ہے۔ مثلاً سورہ ص میں سجدہ آدم کی داستان اس طرح بیان ہوئی ہے

"واذ قال ربک للملائکتہ انی خالق بشرا" من طین فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین، فسجد الملائکتہ کلھم اجمعون ، الا ابلیس ، استکبر و کان من الکافرین"

سورہ ص ۷۱ تا ۷۴

"جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں جب میں اسکو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا پس سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا شیخی میں آگیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

ابلیس کے کافروں میں سے ہونے کا بیان سورۃ البقرہ کی آیت۔ ۳۴ میں بھی آیا ہے۔

مولانا مودودی نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں سورۃ البقرہ کی آیت۔ ۳۴ "واستکبر و کان من الکافرین" کا ترجمہ یہ کیا ہے مگر ابلیس نے انکار کیا وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔ اور پھر اس کی تفسیر میں نمبر ۴۷ ص ۶۶ پر یوں لکھتے ہیں

"ان الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالبا ابلیس سجدے سے انکار کرنے میں اکیلا نہ تھا بلکہ جنوں کی ایک جماعت نافرمانی پر آمادہ ہو گئی تھی اور ابلیس کا نام صرف اس لئے لیا گیا ہے کہ وہ انکا سردار اور اس بغاوت میں پیش پیش تھا لیکن اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "وہ کافروں میں سے تھا" اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ جنوں کی ایک جماعت پہلے سے ایسی موجود تھی جو سرکش و نافرمان تھی اور ابلیس کا تعلق اسی جماعت سے تھا قرآن میں "شیاطین" کا لفظ انہی جنون اور انکی ذریت (نسل) کے لئے استعمال ہوا ہے اور جہان شیاطین سے انسان مراد لینے کے لئے کوئی قرینہ نہ ہو وہاں یہ شیاطین جن مراد ہوتے ہیں"۔

مولانا کی اس تفسیر سے صاف طور پر واضح ہو گیا کہ جنوں کی ایک جماعت ضرور ایمان پر تھی اور ابلیس انکا سردار ہونے کی وجہ سے اس بغاوت میں پیش پیش تھا یا کم از کم یہ کہ صرف ابلیس ایمان لایا تھا اور جنوں کی باقی جماعت بدستور سرکش و نافرمان تھی اور اب ابلیس بھی ان نافرمانوں میں شامل ہو گیا تھا اور ابلیس کا ایمان لانا ان فرشتوں کی ہدایت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ بہرحال آدم کو سجدہ کا حکم دوسری آیات میں بھی آیا ہے اور ہر آیت میں سجدہ کے بیان کے علاوہ ایک نئی بات بیان ہوئی ہے۔ دوسری آیات کی نسبت مذکورہ آیات میں یہ نئی بات بیان ہوئی ہے کہ یہ اعلان آدم کے جسد خاکی کو درست کرنے اور اس میں اپنی روح پھونکنے سے پہلے کیا گیا ہے پھر ان آیات میں روح کو اپنی طرف منسوب کیا ہے "روحی" "میری روح" اور یقینا"

اس روح کو اپنی روح کہنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ خدا کا حصہ ہو بلکہ یہ اس روح کی عظمت " شرف اور بزرگی کی بنا پر کیا گیا ہے جیسا کہ خانہ کعبہ کو "بیتی" "میرا گھر" کہا ہے اور یہ خانہ کعبہ کو اسکی عظمت شرف اور بزرگی کی بنا پر ہی کہا گیا ہے ورنہ وہ تو لامکاں ہے۔ دوسرے "روحی" کہ کر فرشتوں کو یاد دلانا مقصود تھا کہ اب وہی روح آدم ثانی پر آ رہی ہے جس نے دوسرے آنے والے ہادیوں کی ارواح کا تعارف کرایا تھا۔ یہی سجدہ آدم کا بیان سورۃ کہف میں بھی آیا ہے جو اس طرح ہے۔ "واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ"۔ الکہف۔۵۰

"اور جب ہم نے فرشتوں سے یہ کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ کیونکہ وہ جنوں میں سے تھا اس لئے اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔" سورہ ص کی آیہ ۷۳۔۷۴ میں بھی یہ بیان ہوا تھا کہ ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور یہاں بھی یہ بیان ہوا ہے کہ ابلیس نے سجدہ نہ کیا لیکن یہاں ایک نئی بات بیان ہوئی ہے کہ وہ قوم جن سے تھا۔ کیونکہ سورہ ص کی آیات میں فرشتوں کو سجدہ کا حکم دینے کے بعد "الا ابلیس" کہنے سے یہ معلوم ہوتا تھا جیسا کہ ابلیس بھی ایک فرشتہ ہی تھا جب خدا نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس عبارت سے یہ گمان ہوتا تھا کہ ابلیس بھی فرشتہ ہی ہے لہٰذا اس آیت میں اسکی وضاحت کی گئی کہ وہ فرشتہ نہیں تھا بلکہ وہ قوم جن سے تھا۔ اور "ففسق عن امر ربہ" کہ کر یہ واضح کیا کہ "جن" بھی انسانوں کی طرح حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار کے مالک ہیں اور وہ بھی جو عمل کرتے ہیں اپنے ارادہ و اختیار کی آزادی کے ساتھ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں سورہ ص کی آیہ ۷۲ میں یہ کہا تھا کہ "فاذا نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین" جب میں اس میں اپنی روح پھونک لوں تو تب تم اسکو سجدہ کرنا اور سورۃ کہف کی اس آیت میں یہ کہا ہے کہ "اسجدوا لادم" "آدم کو سجدہ کرو" یعنی یہ وہی روح آدم تھی جس کو خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ "یادم انبئھم باسمائھم" یعنی اے آدم تم ان فرشتوں کو ان سب (ہادیوں) کے نام بتلا دو"۔ یہی سجدہ کا حکم سورہ اعراف میں بھی آیا ہے جو یہ ہے۔

"ولقد خلقنا کم ثم صورناکم ثم قلنا للملائکۃ اسجدوا لادم

فسجدوا الا ابلیس لم یکن من السٰجدین"

اعراف - ۱۱

"یقیناً" ہم نے تم کو پیدا کیا اس کے بعد تمہاری صورت گری کی پھر اس کے بعد ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پس سب فرشتوں نے تو سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا" اس آیت میں محور سخن نسل انسانی کے آغاز کو بتانے کے ساتھ یہ بتانا مقصود ہے کہ آدم کی خلقت تمہاری نسل کے مبداء کی خلقت تھی لیکن پھر اس بات کی وضاحت کے لئے کہ کہیں ساری ہی نسل انسانی یہ نہ سمجھ لے کہ فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرانا ساری نسل انسانی کو سجدہ کرانا ہے لہٰذا فرمایا۔ ثم قلنا للملائکتہ اسجدوا لادم" پھر ہم نے فرشتوں سے یہ کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو۔ اگر نسل انسانی کو سجدہ کرانا مقصود ہوتا تو یوں کہتا کہ

"ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم ثم قلنا للملائکتہ اسجدوا لکم"

"یعنی ہم نے تمہیں خلق کیا اور تمہیں خلق کرنے کے بعد تمہاری صورت گری کی اور تمہاری صورت گری کرنے کے بعد ہم نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ "تمہیں" سجدہ کریں لیکن خدا نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ "اسجدو لادم" "آدم کو سجدہ کرو" وہی آدم جس کا فرشتوں کو پہلے تعارف کرا دیا گیا تھا وہی آدم جس نے عالم ارواح میں سارے ہادیوں کے نام بتلا کر تمام ہادیوں کا تعارف کرایا تھا۔ اس آیت کے ایک اور طرح بھی معنی ہو سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس عالم اجسام میں آدم کی خلقت کا بیان کر کے عالم اجسام میں اسکی نسل کا تسلسل مراد نہ ہو "بلکہ اس سے عالم ارواح میں کل اولاد آدم کی عالم ارواح کی مجموعا" خلقت مراد ہو اس صورت میں معنی یوں ہو گا کہ "لقد خلقناکم" ہم نے پہلے تم سب کی ارواح کو خلق کیا "ثم صورناکم" پھر تمہاری صورت گری کی۔ اور آج علم کی دنیا میں "ثم صورناکم" کے معنی میں کوئی اشکال ہی نہیں رہ گیا ہے کیونکہ آج کے علوم جدیدہ نے یہ انکشاف کر دیا ہے کہ روح بھی حامل صورت ہے لہٰذا اس طرح اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے پہلے تم سب بنی آدم کی ارواح کو خلق کیا پھر اس کے بعد تمہاری صورتیں بنائیں۔ اور پھر کافی عرصہ بعد جب آدم کو زمین پر بھیجا تو اس وقت آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ اور اس دوران میثاق الست۔ اور میثاق انبیاء اور ساری

مستین کی ارواح سے میثاق لئے جاتے رہے۔ بہرحال یہی سجدہ کا حکم سورہ اعراف کی آیہ ۱۲ میں بھی بیان ہوا ہے لیکن یہاں پھر ایک نئی بات بیان ہوئی ہے ارشاد ہوتا ہے

"قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک قال انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین"

اعراف۔ ۱۲

"جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو) خدا نے اس سے کہا جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا تھا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روک دیا اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسکو مٹی سے"۔ یہاں پر نئی بات یہ ہے کہ وہ حکم جو خدا نے فرشتوں کو دیا تھا وہ ابلیس کے لئے بھی تھا اور یہ بات سوائے اس صورت کے ممکن نہیں ہے کہ ابلیس ان فرشتوں پر ایمان لا کر انکا تابع ہو اور یہ حکم بالتبع اسی طرح اس پر لاگو تھا جس طرح ہر ہادی ہر پیغمبر اور ہر رسول ہر امام کو دیا جانے والا حکم بالتبع ان کے ماننے والوں پر بھی لاگو ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ یہ فرشتے زمین پر جنوں کی ہدایت پر مامور تھے اور توحید کی تبلیغ اور شرک کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے اور اسی چیز کو انہوں نے "ونحن نسبح بحمدک و نقدس لک" کہ کر بیان کیا تھا اور خدا نے بھی اس بات کی تردید نہیں کی تھی۔ ان ہی فرشتوں کی تبلیغ کے نتیجہ میں ابلیس توحید پر ایمان لے آیا تھا اور چونکہ وہ دوسرے جنوں کے مشرک و کافر معاشرے میں اس کے لئے رہنا دشوار تھا لہٰذا وہ فرشتون کے ساتھ ہی انکی صحبت میں رہنے لگا تھا اور یہ ان ملائکہ معصومین کا اکلوتا صحابی تھا جس نے فرشتوں کی صحبت میں رہتے ہوئے چھ ہزار سال تک خدا کے آگے سجدہ سے سر نہ اٹھایا تھا بالفاظ دیگر ابلیس پکا موحد ان فرشتوں کا امتی اور ہمہ وقت ساتھ رہنے والا صحابی تھا۔ گویا خدا ابلیس کے انحراف کو بیان کر کے اپنے پیغمبر کو اس کلام کے ذریعہ تسلی دے رہا ہے کہ اگر تمہارے بعد آنے والے ہادیوں کی اطاعت و پیروی سے تمہاری امت کے لوگ انحراف کریں تو دل گرفتہ نہ ہونا یہ بات تمہارے جد اعلیٰ آدم کو بھی پیش آچکی ہے۔

اعلان خلافت آدم کا تجزیہ

آدم کے اعلان خلاف میں "جاعل" اسم فعال ہے اور "انی جاعل" جملہ اسمیہ خبریہ ہے جو استمرار اور دوام اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے یعنی اب سلسلہ ہدایت غیر مبدل ایک ہی حالت میں قائم نہیں رہے گا جیسا کہ فرشتے مسلسل، لگاتار، غیر مبدل طریقہ سے ایک ہی حالت میں ہدایت کرنے میں لگے ہوئے تھے بلکہ اب ایک ہادی تمہاری جگہ آئے گا وہ ایک عرصہ تک ہدایت کا کام سرانجام دے گا پھر جب اسکا عرصہ حیات ختم ہو جائے گا تو میں اسے واپس بلا لونگا اور اسکی جگہ دوسرا ہادی بھیج دوں گا اور یہ سلسلہ ہدایت اب اسی طرح سے جاری و ساری رہے گا اور ایک ہادی کے بعد دوسرا ہادی اسکا جانشین بنتا رہے گا۔ اور "فی الارض" اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ یہ سارا معاملہ زمین سے متعلق ہے "زمین میں" یعنی اس سے پہلی ماموریت بھی زمین میں ہی تھی اور یہ ماموریت بھی زمین میں ہی ہو گی۔ "فی الارض" کے بعد وہ لفظ آیا ہے جو اصل موضوع بحث ہے یعنی "خلیفہ" لہٰذا اب ہم اس لفظ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

"خلیفہ" خلق کے مادہ سے ہے جس کا معنی کسی کے پیچھے آنے کے ہیں اور اسکا اسم فاعل "خلیف" ہے "تا" مبالغہ کے لئے استعمال ہوا ہے لہٰذا "خلیفہ" بھی اسم فاعل ہے اور لغوی اعتبار سے یہ لفظ صرف اسی جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کوئی شخص کسی کے مرنے یا بدل جانے کے بعد مرنے والے یا بدل جانے والے کی جگہ لے اس لئے اصطلاح میں اس کے معنی جانشین کے کئے جاتے ہیں اب یہاں ایک اختلاف ہے کہ خدا نے خلیفہ کس کو بنایا؟ اور کس کا بنایا؟ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ خدا نے آدم کو اس نسلی مخلوق کا خلیفہ بنایا جو معدوم ہو چکی تھی۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ خدا نے آدم کو فرشتوں کا خلیفہ بنایا بعض مفسرین و مفکرین نے یہ کہا ہے کہ خدا نے کل انسانوں کو بحیثیت مجموعی اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ خدا نے انسانی جماعت کو اپنا خلیفہ بنایا ان آخری باتوں پر تو ہم ایک مستقل عنوان "کیا واقعتاً" ہر انسان خدا کا

خلیفہ ہے کے تحت بحث کریں گے۔ لیکن جہاں تک خدا کا خلیفہ ہونے کا تعلق ہے تو اس کا مجملاً جواب تو یہ ہے کہ لغوی معنی کے اعتبار سے کسی کا خدا کا خلیفہ ہونے کا کوئی معنی ہی نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو خدا مرتا ہے اور نہ ہی وہ تبدیل ہوتا ہے لہٰذا خدا کا خلیفہ کہنا بالکل بے معنی سی بات ہے بلکہ معقول بات یہ ہے کہ یہ بات جن سے متعلق تھی خدا نے ان سے ہی کہی تھی کہ جب ہم نے فرشتوں سے یہ کہا اور فرشتوں کی اقسام کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی کہا جائے گا کہ یہ فرشتے اسی کام پر مامور تھے جس کام کے لئے اب نیا آنے والا آرہا تھا۔ اس کے علاوہ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں "کعبۃ اللہ" کی اضافت اپنی طرف کی ہے اور اسے "بیتی" "میرا گھر" کہا ہے کیونکہ خدا تو لا مکان ہے اور اسکا کوئی گھر نہیں ہے لیکن شرف و بزرگی کے لحاظ سے ہی صحیح خانہ کعبہ کو "بیتی" "میرا گھر" کہا ہے۔ اسی طرح رسولوں کو اپنی طرف نسبت دی ہے اور قرآن میں "رسلی" "میرے رسول" اور "رسول اللہ" اللہ کا رسول کہا ہے لیکن قرآن میں کہیں بھی کسی کو بھی "خلیفتی" یا "خلیفۃ اللہ نہیں کیا۔ یہ ہم ہیں جو خود اپنی طرف سے اس لفظ کو خدا کی طرف اضافت اور نسبت دے رہے ہیں اور وہ بھی انبیاء اور رسولوں کو نہیں بلکہ تمام انسانوں کو یا انسانی جماعت کو حالانکہ لغوی اعتبار سے تو انبیاء اور رسولوں کو بھی خدا کا خلیفہ کہنا درست نہیں ہے لیکن چونکہ یہ خدا کی طرف سے ہدایت کے لئے مقرر کئے ہوئے ہادی اور نمائندہ ہوتے ہیں لہٰذا اس معنی میں ایسی ہستیوں کو جو خدا کی طرف سے کار ہدایت پر مامور ہوں اس حد تک خلیفۃ اللہ یعنی خدا کے نمائندے کہنا درست ہو سکتا ہے۔

نسل انسانی کے دو گروہ

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آدم کی اولاد دو گروہوں میں تقسیم ہے ایک ہدایت دینے والوں کا گروہ اور دوسرا ہدایت لینے والوں کا گروہ قرآن کریم نے پہلے گروہ کے بارے میں فرمایا ہے "ممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون" الاعراف۔ ۱۸۱

"ہم نے اپنی مخلوق میں ایک گروہ ایسا پیدا کیا ہے جو حق کے ساتھ ہدایت کرتا

ہے اور اسی کے ساتھ عدل بھی کرتا ہے اور دوسرے مقام پر اس ہدایت کرنے والے گروہ کو قرآن کریم میں "رسل" کہا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ **"یا بنی ادم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی فمن اتقی واصلح فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون"** الاعراف۔ ۳۵

"اے بنی آدم اب تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے رسول آئیں گے پس جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اور میرے بھیجے ہوئے رسولوں کی اطاعت و پیروی کرتے ہوئے عمل صالح بجا لائے گا اسے نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی کوئی حزن و ملال ہو گا۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: **"فلنسئلن الذین ارسل الیهم ولنسئلن المرسلین"**

"ضرور ضرور ہم ان لوگوں سے بھی باز پرس کریں گے جن کے پاس ہم نے ہادیوں کو رسول بنا کر بھیجا تھا اور ہم ضرور ضرور ان ہادیوں سے بھی پوچھیں گے جن کو ہم نے رسول بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا تھا" پس نسل انسانی ان دو گروہوں میں تقسیم کی گئی ہے ایک گروہ خدا کی طرف سے بنی آدم کی ہدایت کے لئے آنے والے افراد کا تھا اور دوسرا گروہ ان ہادیوں سے ہدایت لے کر انکی اطاعت و پیروی کرنے والوں کا" بالفاظ دیگر انسانوں میں ایک گروہ ہدایت کرنے والوں کا ہے اور دوسرا گروہ ہدایت لینے والوں کا ہے ایک گروہ وہ ہے جن کی اطاعت و پیروی کی جائے گی اور دوسرا گروہ وہ ہے جو اطاعت و پیروی کرے گا۔

فرشتوں کا جواب

جب خدا نے یہ اعلان فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ مقرر کروں گا تو اس کے جواب میں فرشتوں نے جو کچھ کہا اسکو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ **"قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک"**۔

"فرشتوں نے کہا کیا تو ان کو خلیفہ مقرر کر دے گا جو زمین میں فساد و خونریزی کر رہے ہیں اور ہم تو تیری حمد کے ساتھ پاکی بیان کر رہے ہیں اور زمین کی شرک و کفر و نفاق سے پاک سازی کر رہے ہیں۔ اس آیت میں "یفسد" اور "یسفک" دونوں مضارع

کے معنے ہیں جو حال و استقبال دونوں پر دلالت کرتے ہیں۔ اور حال کی صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ فساد و خون ریزی کر رہے ہیں اور جو اب یہ کام کر رہے ہیں وہ مستقبل میں بھی یہی کام کریں گے اور جو کام ہم کر رہے ہیں وہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ بات صرف ان کے مشاہدہ ہی میں نہ تھی بلکہ خدا نے بھی بطور تعلیم کے فرشتوں کو بتلائی ہوئی تھی اور یہ بات اس سے آگے آنے والی آیت کے الفاظ "الا ما علمتنا" سے ظاہر ہے یعنی انہوں نے جو کچھ کہا تھا اسکا علم خدا نے ہی بتلا دیا تھا انہوں نے یہ بات اپنی طرف سے یا کسی قیاس کی بنا پر نہیں کہی تھی اور "نسبح بحمدک" میں "نسبح" بھی فعل مضارع ہے اور "نقدس لک" میں "نقدس" بھی فعل مضارع ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فرشتے زمین کی شرک و کفر سے پاکسازی کے لئے خدا کی صفات جلال اور اس کے صفات جمال و کمال کو بیان کر رہے تھے اور زمین پر خدا کی طرف سے توحید کی تبلیغ اور ہدایت پر مامور تھے اور چونکہ اس آیت میں واقع "نسبح اور "نقدس" فعل مضارع کو حال کے معنی میں لیا جاتا ہے لہٰذا اس سے پہلے آنے والے الفاظ "یفسد" اور "یسفک الدماء" کے بھی جو فعل مضارع ہیں فعل حال کے معنی لینا بالکل درست ہے اور اپنے مشاہدہ کے علاوہ "الا ما علمتنا" کی قرآنی گواہی سے فرشتوں کو صرف یہی معلوم تھا کہ زمین پر جو مخلوق فساد اور خونریزی کر رہی ہے اس کے علاوہ اور کوئی خدائی مخلوق زمین پر موجود نہیں ہے جسکو خلیفہ بنایا جا سکے اور یہ بات اس سے آگے آنے والی آیت میں مذکور "لا علم لنا" سے ثابت ہے۔ خدا نے فرشتوں کے اس قول کو پیش کر کے جس اصول کی نشاندہی کی ہے اسکی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی اور وہ اصول یہ ہے کہ کوئی بھی فسادی اور خونریزی کرنے والا بالفاظ دیگر کوئی بھی غیر معصوم کسی معصوم ہادی کا جانشین نہیں بن سکتا کیونکہ ہادی کا کام اصلاح کرنا اور ہدایت کرنا ہے فساد کرنا نہیں ہے۔ لہٰذا کسی معصوم ہادی کا کسی فسادی اور خونریزی کرنے والے اور غیر معصوم کو جانشین مقرر کرنا خدا کے علم و حکمت کے خلاف ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا کسی معصوم ہادی کا کسی غیر معصوم کو جانشین بنائے۔ اور فرشتوں کے سامنے زمین پر اس فساد اور خون ریزی کرنے والی غیر معصوم مخلوق کے سوا اور کوئی تھا ہی نہیں لہٰذا انہوں نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ کیا تو ان فساد اور خونریزی کرنے والوں کو ہمارا جانشین بنا دے گا۔ جبکہ ہم"

فساد و خونریزی کرنے والا غیر معصوم شخص وہ کام کر ہی نہیں سکتا جو ہم کر رہے ہیں۔ فرشتوں کے اس جواب میں جو اہم نکتہ ہے وہ یہی ہے کہ فساد کرنے والا اور خونریزی کرنے والا غیر معصوم انکا جانشین بن ہی نہیں سکتا جسکا اس اعلان میں ذکر ہے تعجب ہے ان مفکرین پر جو ہر انسان کو یا انسانی جماعت کو خدا کا خلیفہ کہنے لگی ہے گویا انسانوں کے فساد اور خونریزی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے بلکہ بعض نے تو یہ تک لکھ دیا کہ میں انکے فساد اور خونریزی کرنے کے باوجود انہیں کو خلیفہ بناؤں گا۔

فرشتوں کو خدا کا جواب

فرشتوں کا جواب سن کر خدا نے یہ نہیں کہا کہ تم میری حمد کے ساتھ تسبیح نہیں کر رہے ہو یا تم زمین کی شرک و کفر سے پاکسازی نہیں کر رہے ہو بلکہ یہ کہا "انی اعلم مالا تعلمون" "جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے" تمہیں تو بس یہی معلوم ہے کہ زمین پر جو مخلوق اس وقت موجود ہے وہ فساد اور خونریزی کر رہی ہے۔ تمہیں میری اس مخلوق کا تو کوئی علم نہیں ہے جو آسمانی غیب کے پردے میں میری خلق کردہ عالم ارواح میں موجود ہے اور زمین پر آنے کے انتظار میں ہے۔ لیکن "انی اعلم" میں جانتا ہوں کہ میرے آسمانوں کے غیب کر پردے میں اور میری زمین کے غیب کے پردوں میں میری کون کون سے مخلوق موجود ہے۔

بعض مفکرین نے فرشتوں پر ایک اور ستم کیا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو یہ بتا دیا تھا کہ میں آدم کو مٹی سے خلق کروں گا لہذا انہوں نے یہ قیاس کیا کہ جو مخلوق مٹی سے خلق ہو گی وہ فساد اور خونریزی ہی کرے گی اور اپنی صفات جتا کر خلافت کا استحقاق پیش کیا۔ ان مفکرین کا یہ کہنا فرشتوں کی طرف سے ابلیس کے قیاس سے بھی بدتر ہے جس میں اس نے تو صرف اپنے افضل ہونے کے لئے اتنا قیاس ہی پیش کیا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ لیکن ان مفکرین نے ان فرشتوں کی طرف سے یہ تک کہ دیا کہ فرشتوں نے یہ قیاس کیا کہ چونکہ آدم کو مٹی سے خلق کیا جائے گا لہذا یہ ضرور فساد کرے گا اور خونریزی کرے گا حالانکہ فرشتوں نے جو کچھ کہا تھا وہ قیاس کی بنا پر نہیں کہا تھا بلکہ

انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہ اپنے پختہ علم اور یقین کی بنا پر کہا تھا جسکا انہوں نے واضح طور پر اظہار کیا تھا کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اسکا علم تو نے ہی ہم کو دیا تھا "الاماعلمتنا" ابھی تک فرشتوں کو یہ علم ہی نہیں تھا کہ کون آ رہا ہے اور کس کو ان کا جانشین بنایا جا رہا ہے۔

آدم کو ناموں کی تعلیم

خدا نے فرشتوں کو "انی اعلم مالا تعلمون" کہنے کے بعد ان سب کے نام جن کو خدا تو جانتا تھا "انی اعلم" لیکن فرشتوں کو انکا علم نہیں تھا "مالا تعلمون" پہلے مرحلہ میں زمین پر پہنچنے والے ہادی "آدم کو سکھا دیئے "وعلم ادم الاسملہ کلھا" اور آدم کو سب کے نام سکھا دیئے۔

آدم کو کن ناموں کی تعلیم دی گئی

مفسرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آدم کو کن ناموں کی تعلیم دی گئی لیکن ان میں سے دو اقوال زیادہ مشہور ہیں اور دونوں کو ہی روایات کی تائید حاصل ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ آدم کو تمام پہاڑوں ' دریاؤں ' دروں ' ندی نالوں ' زمین اور آسمانوں چاند اور سورج غرضکہ کائنات کی ان تمام چیزوں کی جسے چیز کہا جا سکے تعلیم دی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آدم کو تمام ہادیوں یعنی حجت ہائے خدا کے نام تعلیم کئے گئے جو خدا کی طرف سے نمائندہ بن کر آنے والے تھے اب ان میں سے کونسا قول صحیح ہے اس کے لئے ان تمام آیات کے معانی میں غور کرنا ہو گا جن میں اسماء کی بحث کی گئی ہے وہ آیات یہ ہیں۔

"وعلم ادم الاسملہ کلھا ثم عرضھم علی الملائکتہ قال انبئونی باسملہ ھولاء ان کنتم صادقین' قالوا سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم' قال یا ادم انبئھم باسمائھم فلما انبأھم باسمائھم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموت والارض وانی اعلم ماتبدون و ماکنتم تکتمون ـــــ البقرہ ۔ ۳۲ ۔ ۳۳

"اور آدم کو کل کے کل نام سکھا دیئے پھر انکو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا مجھے ان کے نام بتلاؤ اگر تم سچے ہو۔" فرشتوں نے کہا کہ تیری ذات (ہر عیب سے) پاک ہے جو کچھ تو نے ہمیں تعلیم دیا تھا اس کے سوا تو ہمیں کچھ علم نہیں ہے بیشک تو صاحب علم و حکمت ہے۔ خدا نے فرمایا اے آدم اب تم ان کو انکے ناموں سے آگاہ کر دو جب آدم نے فرشتوں کو ان سب کے ناموں سے آگاہ کر دیا تو خدا نے فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کے پردوں کا علم رکھتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کر رہے تھے میں وہ بھی جانتا ہوں اور جو تم چھپا رہے تھے میں وہ بھی جانتا ہوں۔

آیئے اب ان آیات میں غور کرنے کے لئے انکا تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں۔ ان آیات میں سب سے پہلا لفظ جو آیا ہے وہ ہے "علم" جو تعلیم کے مادہ سے ہے اور اس کے معنی ہیں سکھانا پڑھانا۔ تعلیم دینا۔ اور سکھائی۔ پڑھائی وہ بات جاتی ہے جو پہلے سے نہ آتی ہو اور تعلیم اس بات کی دی جاتی ہے جسکا علم پہلے سے نہ ہو۔ یہ لفظ خدا کی طرف سے صرف آدم کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن جب آدم کو یہ کہا کہ فرشتوں کو ان کے نام بتاؤ تو وہاں "علم" کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ آدم کو کہا کہ " انبئھم" انکو آگاہ کر دو۔ خبر دیدو اور جب آدم نے فرشتون کو ان کے نام بتلائے تو بھی یہ نہیں کہا کہ آدم نے فرشتون کو انکے ناموں کی تعلیم دی یا سکھلائے بلکہ فرمایا " انباتھم باسمائھم" فرشتوں کو انکے ناموں سے آگاہ کیا یا فرشتوں کو ان کے ناموں کی خبر دی۔ اور تعلیم دینے اور خبر دینے میں فرق یہ ہے کہ تعلیم اس چیز کی دی جاتی ہے جسکا پہلے سے علم نہ ہو اور خبر اس چیز کی دی جاتی ہے جسکا پہلے سے علم ہو۔ یعنی آدم کو جب علم ہو گیا تو اسکی خبر دی۔

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدم کو خدا نے جن کے ناموں کی تعلیم دی ان کے نام کس نے رکھے تھے وہ مفکرین جو یہ سمجھتے ہیں کہ آدم کو تمام چیزوں مثلاً پہاڑوں' دریاؤں' ندی نالوں وغیرہ کی تعلیم دی انہوں نے اس سے یہ مراد لیا ہے کہ آدم میں تکوینی طور پر یہ صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ وہ جس چیز کا جو نام چاہیں رکھ دیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کے لئے "علم" کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا "علم" تو تعلیم دینے کے معنی میں ہی آتا ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ **"الرحمن علم**

القرآن" "رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی" تو اسکا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ رحمٰن نے تخلیقی طور پر قرآن بنانے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی بلکہ یہ اپنے لغوی اور حقیقی معنی میں ہی مفہوم دے گا۔ اس سے قطع نظر خدا نے جو یہ کہا کہ "وعلم آدم" آدم کو تعلیم دی۔ تو آدم بھی ان اسماء میں سے ایک اسم ہے تو یہ آدم کا نام کس نے رکھا تھا۔ یہاں اس بات کے سوا کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ آدم کا نام تو خدا ہی نے رکھا تھا۔ تو باقی ناموں کے لئے بھی تکلف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جس نے آدم کا نام رکھا تھا اس نے ہی باقیوں کے نام رکھے تھے اور اس نے آدم کو انہی ناموں کی تعلیم دی تھی بیشک انسانوں نے بھی دنیا کی چیزوں کے نام رکھے ہیں لیکن یہ نام یہ تھے جو انسانوں کے رکھے ہوئے نہیں تھے اور پھر قرآن میں ان اسماء کی بحث میں کوئی لفظ ایسا استعمال نہیں ہوا جس کے معنی چیز ہوں۔ جبکہ آیت کے الفاظ "اسماھم" اور "عرضھم" میں "ہم کی ضمیریں اور "ھولاء" کی ضمیر ہے جو ذی حیات اور ذوی العقول کے لئے آتی ہیں بے جان اور عقل نہ رکھنے والی چیزوں کے لئے استعمال نہیں ہوتیں۔ اگرچہ ان مفکرین نے جنہوں نے اسماء سے مراد کائنات کی تمام چیزیں مراد لی ہیں یہ اصرار کیا ہے کہ بے جان اور عقل نہ رکھنے والی مخلوق کے لئے بھی جمع کی صورت میں "ہم" اور "ھولاء" کی ضمیریں استعمال ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس صورت میں "عرضھم" میں "ھم" کے لئے تو یہ کہا جا سکتا ہے لیکن "عرض" کو کہاں کھپایا جائے گا جس کے معنی پیش کرنا ہے یعنی ان سب کو جن کے نام آدم کو سکھلائے تھے فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ مثلاً" قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ آیا ہے "یومئذ تعرضون لا تخفی منکم خافیتہ"۔ الحاقہ۔۱۸۔

اس دن تم سب کے سب خدا کی حضور میں پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی اس آیت میں "تعرضون" "عرض" کے مادہ سے ہے جس کے معنی کسی چیز کو کسی کے سامنے پیش کرنے کے ہیں۔

پس اگر عرضھم علی الملائکتہ سے مراد تمام چیزوں کا پیش کرنا ہی مراد ہو تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ایک تو فرشتوں کو اس وقت تک کائنات کی کسی بھی چیز کے نام کا علم نہیں تھا دوسرے وہ تمام چیزیں جو آج تک معرض وجود میں آچکی ہیں اور قیامت تک معرض وجود میں آئیں گی ان سب کے نام آدم کو سکھانے کے بعد' ان سب

القرآن" "رحمن نے قرآن کی تعلیم دی" تو اسکا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ رحمٰن نے تکوینی طور پر قرآن بنانے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی بلکہ یہ اپنے لغوی اور حقیقی معنی میں ہی مفہوم دے گا۔ اس سے قطع نظر خدا نے جو یہ کہا کہ "وعلم آدم" آدم کو تعلیم دی۔ تو آدم بھی ان اسماء میں سے ایک اسم ہے تو یہ آدم کا نام کس نے رکھا تھا یہاں اس بات کے سوا کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ آدم کا نام تو خدا ہی نے رکھا تھا۔ تو باقی ناموں کے لئے بھی تکلف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جس نے آدم کا نام رکھا تھا اس نے ہی باقیوں کے نام رکھے تھے اور اس نے آدم کو انہی ناموں کی تعلیم دی تھی بیشک انسانوں نے بھی دنیا کی چیزوں کے نام رکھے ہیں لیکن یہ نام وہ تھے جو انسانوں کے رکھے ہوئے نہیں تھے اور پھر قرآن میں ان اسماء کی بحث میں کہیں لفظ ایسا استعمال نہیں ہوا جس کے معنی چیز ہوں۔ جبکہ آیت کے الفاظ "اسماء ھم" اور "عرضھم" میں "ہم کی ضمیریں اور "ھولاء" کی ضمیر ہے جو ذی حیات اور ذوی العقول کے لئے آتی ہیں بے جان اور عقل نہ رکھنے والی چیزوں کے لئے استعمال نہیں ہوتیں۔ اگرچہ ان مفکرین نے جنہوں نے اسماء سے مراد کائنات کی تمام چیزیں مراد لی ہیں یہ اصرار کیا ہے کہ بے جان اور عقل نہ رکھنے والی مخلوق کے لئے بھی جمع کی صورت میں "ہم" اور "ھولاء" کی ضمیریں استعمال ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس صورت میں "عرضھم" میں "ھم" کے لئے تو یہ کہا جا سکتا ہے لیکن "عرض" کو کہاں کھپایا جائے گا جس کے معنی پیش کرنا ہے یعنی ان سب کو جن کے نام آدم کو سکھلائے تھے فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ مثلاً" قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ آیا ہے "یومئذ تعرضون لا تخفی منکم خافیتہ"۔ الحاقہ۔۱۸۔

اس دن تم سب کے سب خدا کی حضور میں پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی اس آیت میں "تعرضون" "عرض" کے مادہ سے ہے جس کے معنی کسی چیز کو کسی کے سامنے پیش کرنے کے ہیں۔

پس اگر عرضھم علی الملائکتہ سے مراد تمام چیزوں کا پیش کرنا ہی مراد ہو تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ایک تو فرشتوں کو اس وقت تک کائنات کی کسی بھی چیز کے نام کا علم نہیں تھا دوسرے وہ تمام چیزیں جو آج تک معرض وجود میں آچکی ہیں اور قیامت تک معرض وجود میں آئیں گی ان سب کے نام آدم کو سکھانے کے بعد' ان سب

مگر وہ فرشتے جہاں رہتے تھے کیا انہوں نے اس جگہ کو بھی نہیں دیکھا تھا حالانکہ وہ بھی تو ایک چیز ہی تھی۔ تو نہ تو دکھانے والی بات بنتی ہے اور نہ ہی ان کے پیش کرنے والی' یہ سب باتیں اصل حقیقت سے روگردانی کی پیداوار ہیں لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ کائنات کی تمام چیزوں کے نام آدم کو سکھا کر ان چیزون کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا تھا اور پھر فرشتوں سے ان کے نام پوچھے تھے۔ اب جبکہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ نہ تو آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے اور نہ ہی تمام چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے ان کے نام فرشتوں سے پوچھے' تو اب آیئے ان لوگوں کے قول پر غور کرتے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ آدم کو تمام حادیوں اور حجت ہائے خداوندی کے ناموں کی تعلیم دی تھی اور تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ناموں کے ساتھ ان کی صفات اور خصوصیات بھی آدم کو بتلائے تھے۔

ہم پہلے یہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ سب کے سب نام خدا کے رکھے ہوئے تھے جیسا کہ آدم کا نام خود خدا نے رکھا تھا' آیئے اس بات کا مزید ثبوت قرآن سے تلاش کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام چیزوں کے نام ہم ہی اپنی اپنی زبان میں رکھتے ہیں' زمین کے سینہ پر ابھری ہوئی جس چیز کو ہم پہاڑ کہتے ہیں اسے ایران والے "کوہ" کہتے ہیں' اہل عرب اسی چیز کو "جبل" کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر ایک نے اپنی اپنی زبان میں ہر چیز کے علیحدہ علیحدہ نام رکھے ہوئے ہیں۔ انسانوں میں بھی جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان کے نام ہم ہی رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن سے ایک ایسے سلسلہ اسماء کا پتہ چلتا ہے جن کے نام قرآن کی سند کی رو سے خود خدا نے رکھے تھے۔ مثال کے طور پر ان میں سے چند نام قرآن کریم سے اس مقام پر پیش کئے جاتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ حضرت سارہ زوجہ ابراہیم کو بشارت دیتے ہوئے سورہ ھود میں فرماتا ہے:

فبشرناها باسحق ومن وراء اسحق يعقوب

ھود - ۷۱

ہم نے سارہ کو (اپنے بھیجے ہوئے فرشتوں کے ذریعہ) اسحٰق (کے پیدا ہونے) کی بشارت دی اور اسحٰق کے بعد (اسحٰق کے بیٹے) یعقوب (کے پیدا ہونے) کی بشارت دی۔ اور سورہ صفت میں ابراہیم کو یوں بشارت دی:

و بشرنه باسحق نبیا الصلحین

الصفت - ۱۱۲

اور ہم نے (ابراہیم کو) اسحق (کے پیدا ہونے) کی بشارت دی جو ایک نیکوکار نبی ہیں۔ سورہ ہود کی آیت میں حضرت سارہ کو نہ صرف ان کے بیٹے اسحق کی بشارت دی گئی ہے بلکہ ابھی سے اسحق کے بیٹے یعنی ابراہیم و سارہ کے پوتے یعقوب کی بھی بشارت دے دی گئی ہے اور سورۂ صفت کی آیت میں حضرت ابراہیم کو اسحق کے پیدا ہونے کی بشارت کے ساتھ ساتھ یہ بشارت بھی دی کہ وہ نبی اور نیکوکار ہیں۔ اس کے علاوہ سورہ مریم میں حضرت زکریا کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا ہے:

یا زکریا انا نبشرک بغلام اسمہ یحیی لم نجعل لہ من قبل سمیا

مریم - ۷

اے زکریا! ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحیی ہے، ہم نے اس سے پہلے یہ نام کسی کا نہیں رکھا۔ پھر سورہ آل عمران میں حضرت مریم کو بشارت دیتے ہوئے فرماتا ہے:

از قلت الملائکتہ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمتہ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم و جیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین

آل عمران - ۴۵

اس وقت کو یاد کرو جب ملائکہ نے مریم سے یہ کہا کہ اے مریم اللہ تجھے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے، اس کا نام مسیح عیسی بن مریم ہے، وہ دنیا و آخرت میں صاحب عزت ہے اور مقربین میں سے ہے۔ پھر عیسی کی زبان سے حضور کے آنے سے تقریباً" چھ سو سال پہلے خاتم الانبیاء کے آنے کی بشارت سورہ الصف میں ان الفاظ میں دیتا ہے:

و اذ قال عیسی ابن مریم یبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورات و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد

الصف - ٦

اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسی ابن مریم نے یہ کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، مجھ سے پہلے جو کچھ تورات میں آچکا ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔

کیا یہ سب آیات اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ یہ سب کے سب نام خدا کے رکھے ہوئے ہیں؟ اور پیدائش ارضی کے وقت کے نہیں بلکہ نہ معلوم کب سے رکھے ہوئے ہیں جبھی تو تقریباً" چھ سو سال پہلے عیسی سے یہ اعلان کرایا کہ ان کے بعد جو نبی آنے والا ہے اس کا نام احمد ہے۔ ان آیات قرآنی سے ثابت ہو گیا کہ جن روایات میں یہ آیا ہے کہ خدا نے آدم کو تمام ہادیوں اور حجت ہائے خدا کے ناموں اور ان کی صفات کی تعلیم دی تھی وہی روایات حقیقت میں صحیح اور درست ہیں۔

فرشتوں سے سوال

آدم کو ان ناموں کی تعلیم دینے کے بعد خدا نے ان ہستیوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا:

انبئونی باسماء هولاء ان کنتم صادقین

اگر تم سچے ہو تو مجھے ان ہستیوں کے ناموں کے بارے میں خبر دو۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آدم کو جب پہلے مرحلہ میں نام بتلائے تو کہا "علم" اور جب آئندہ چل کر آدم سے یہ کہا کہ اب تم فرشتوں کو ان کے نام بتاؤ تو خدا نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ کہا "انبہم" اے آدم تم فرشتوں کو ان ہستیوں کے بارے میں آگاہ کر دو، خبر دے دو اور سکھائی وہ چیز جاتی ہے جس کا پہلے سے علم نہ ہو اور خبر اس چیز کی دی جاتی ہے جس کا پہلے سے علم ہو۔

چونکہ فرشتے ابھی تک ان کے وجود کا علم نہیں رکھتے تھے لہذا نہ تو وہ ان کے ناموں کو جانتے تھے اور نہ ہی وہ ان کی صفات و خصوصیات سے واقف تھے۔ وہ تو صرف یہ جانتے تھے کہ زمین پر صرف "جن" رہتے ہیں جو فساد و خونریزی کرنے میں مصروف ہیں لہذا انہوں نے حیرت زدہ ہو کر یہ کہا تھا کہ کیا تو ان کو ہمارا جانشین بنا

دے گا جو فساد و خونریزی کر رہے ہیں۔ اور حیرت ان کو اس بات پر ہوئی کہ وہ کار
ہدایت جو ان کے سپرد تھا وہ اس کے اہل نہیں تھے کیونکہ یہ بات خدا کے علم و حکمت
کے خلاف تھی لہٰذا خدا نے ان آنے والی ہستیوں کو ان فرشتوں کے سامنے پیش کر
کے پوچھا۔

بتاؤ کیا تمہیں ان ہستیوں کے بارے میں جو عالم ارواح میں میرے آسمانوں
کے غیب کے پردہ میں رہتی ہیں کچھ علم ہے۔ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ میں اس
زمینی مخلوق کے سوا جو تمہارے سامنے ہے اور کسی کو تمہارا جانشین بنا ہی نہیں سکتا تو
ان کے نام بتاؤ' یہاں بھی خدا نے "انبیئونی" کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی اگر تم کو ان
کے وجود کے بارے میں' ان کی صفات کے بارے میں' ان کے ناموں کے بارے میں
کچھ علم ہے تو مجھے آگاہ کرو اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خبر اس چیز کی دی جاتی
ہے جس کا پہلے سے علم ہو' اس سے ثابت ہوا کہ فرشتوں کو ان کے بارے میں کوئی
علم نہیں تھا۔

لہٰذا خدا نے یہاں پر لفظ انبیئونی اس لئے استعمال کیا ہے کہ اگر تم اس بات
میں سچے ہو کہ تمہیں اس بات کا علم ہے کہ میں کس کو بھیج رہا ہوں تو تمہیں ان
ہستیوں کے ناموں کا ضرور علم ہو گا جنہیں میں زمین پر بھیجنے والا ہوں تو مجھے ان کے
نام بتاؤ کیونکہ یہی ہستیاں ہیں وہ جنہیں میں زمین پر ہادی خلق اور اپنا نمائندہ بنا کر
تمہاری جگہ بھیجوں گا۔

ایک اہم نکتہ کی نشاندہی

اس سوال کے اندر "ان کنتم صادقین" کا جملہ بڑا ہی معنی خیز ہے۔ خداوند
تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں بھی یہ جملہ استعمال کیا ہے وہاں ہی اس سے مراد
مخاطب کے قول کی تردید ہے اور وہ چیلنج جو انہیں دیا جاتا ہے وہ اس کے رد ہونے کی
دلیل ہوا کرتا ہے۔ مثلاً" سورہ ھود میں ارشاد ہوتا ہے۔

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین

ھود - ۱۳

"کافر لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمدؐ نے قرآن کو خود اپنے دل سے گھڑ لیا ہے لہٰذا خدا ان کے جواب میں کہہ رہا ہے کہ اگر یہ کلام محمدؐ نے گھڑ لیا ہے تو تم بھی ایسی دس سورتیں گھڑ کے لے آؤ اگر تم سچے ہو"۔ یہاں پر ان کنتم صادقین کافروں کے اس قول کی تردید میں آیا ہے کہ محمد نے یہ کلام خود اپنے دل سے گھڑ لیا ہے، یعنی خدا نے تردید کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہ کلام محمد نے اپنے دل سے نہیں گھڑا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تم بھی ایسی ہی دس سورتیں دل سے گھڑ کے لے آؤ اور اگر تم فصحا و بلغائے عرب ہو کے باوجود ایسی دس سورتیں بھی نہ بنا سکو تو پھر یہ بھی محمد کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ خدا کا کلام ہے۔

سورۂ یونس میں کفار کو صرف ایک سورہ کی گھڑ کر لانے کے لئے چیلنج دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو ایک ہی سورت بنا لاؤ۔

اسی طرح قرآن کریم میں "ان کنتم صادقین" کا جملہ بہت سے مقامات پر آیا ہے اور ہر جگہ اس جملہ کے ذریعہ مخاطب کے قول کی تردید مطلوب ہے۔ اب آیات زیر بحث میں خدا فرشتوں سے فرما رہا ہے "انبئونی باسماء ھولاء ان کنتم صادقین" مجھے ان ہستیوں کے نام بتلاؤ اگر تم سچے ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے "ان کنتم صادقین" کہہ کر فرشتوں کی کس بات کو رد کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ فرشتوں نے "انی جاعل فی الارض خلیفہ" کے جواب میں دو باتیں کہی تھیں، ایک بات تو ہونے والے جانشین کے لئے کہی تھی اور دوسری بات خود اپنے بارے میں تھی۔ ہونے والے جانشین کے بارے میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ "اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء" کیا تو ان کو ہمارا جانشین بنا دے گا جو اس میں فساد اور خونریزی کر رہے ہیں۔ اور اپنے بارے میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ "و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک" اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کر رہے ہیں اور تیرے لئے زمین کو شرک و کفر سے پاک کر رہے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات کو رد کرنا مقصود ہے۔ جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے خدا نے خود اس بات کی تصدیق کی ہے کہ فرشتے اس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتے ہیں، سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

والملائکۃ یسبحون بحمد ربھم

الشوریٰ - ۵

اور فرشتے اس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتے ہیں لہٰذا اب صرف دوسری بات رہ جاتی ہے کہ "کیا تو ان کو ہمارا جانشین بنائے گا جو زمین میں فساد اور خونریزی کر رہے ہیں"۔ خدا نے ان کی اسی بات کو "ان کنتم صادقین" کہہ کر رد فرمایا ہے اور یہ کہا ہے کہ میں کسی فسادی یا خونریزی کرنے والے کو تمہارا جانشین نہیں بناؤں گا اور دلیل کے طور پر ان ہستیوں کو، جنہیں یکے بعد دیگرے زمین پر ہادی خلق، اپنا نمائندہ اور فرشتوں کا جانشین بنانا تھا، فرشتوں کے سامنے پیش کر دیا، تاکہ وہ دیکھ لیں اور جان لیں کہ انہیں ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے اور اس بات سے لاعلمی کا اقرار کرانے کے لئے ہی ان سے یہ کہا کہ

انبئونی باسماء ھولاء ان کنتم صادقین

اور جب فرشتوں نے اس بات کا قرار کر لیا تو پھر آدم کو حکم دیا کہ وہ انہیں ان کے ناموں سے آگاہ کر دیں کہ یہ ہیں وہ ہستیاں جن کو زمین میں ہادی بنا کر بھیجا جائے گا ان میں سے کوئی بھی ہستی فسادی اور خونریزی کرنے والی نہیں ہے۔ یہ ہستیاں سب کی سب بالکل معصوم ہیں اور یہ تاحیات میری توحید کی تبلیغ، میرے صفات جلال اور صفات جمال و کمال کا بیان کرتی رہیں گی اور شرک و کفر کے ساتھ مبارزہ کرتی رہیں گی۔

فرشتوں کا جواب

جس وقت فرشتوں کی نظر ان ہستیوں پر پڑی تو وہ ایک دم پکار اٹھے:

قالوا سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

فرشتوں نے کہا تیری ذات پاک و پاکیزہ ہے اور ہر عیب سے مبرہ ہے (یعنی تو اس عیب سے پاک ہے کہ تو کسی فساد کرنے والے اور خونریزی کرنے والے غیر معصوم کو ہادی اور زمین پر ہمارا جانشین بنائے)

"لا علم لنا" ہمیں تو عالم ارواح میں رہنے والی اس مخلوق کا کوئی علم نہیں تھا۔

"الا ما علمتنا" ہمیں تو تو نے ہی یہ علم دیا تھا کہ زمین پر جو مخلوق ہے، وہ سب فساد اور خونریزی کرنے میں مصروف ہے۔ "انک انت العلیم الحکیم" بے شک تو ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور حکمت والا ہے' تیرا کوئی کام حکمت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ فرشتوں کے اس جواب میں جو چاشنی ہے جو لطف ہے اور جو حقیقت بیان ہوئی ہے اس کے سمجھنے کے لئے ہم اس مقام پر اصمعی کی حکایت نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

اصمعی کی حکایت

اصمعی عربی ادب کا ایک معروف ادیب گزرا ہے وہ کہتا ہے کہ میں ایک دن سورۂ نساء کی حفظ کے ساتھ تلاوت کر رہا تھا اور ایک اعرابی خاموشی کے ساتھ میرے پہلو میں بیٹھا ہوا سن رہا تھا جب میں آیہ "والسارق والسارقۃ" پر پہنچا تو میں نے غلطی سے اس آیت کو اس طرح پڑھ دیا "والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ غفور رحیم" اس غلط طور پر پڑھی ہوئی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ "چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو' یہ اللہ کی طرف سے عذاب کے طور پر اس کی سزا ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے"۔ اصمعی کہتا ہے کہ

قال کلام من ھذا

اعرابی نے کہا' یہ کس کا کلام ہے؟

فقلت کلام اللہ

میں نے کہا' یہ اللہ کا کلام ہے۔

قال اعد

اس نے کہا پھر سے پڑھو۔

فاعدت

میں نے اسے پھر اسی طرح پڑھا۔

فقال لیس ھذا کلام اللہ

اس نے کہا یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔

فلتنبهت

اب میں متنبہ ہوا۔

فقرات واللہ عزیز حکیم

پس میں نے (غفور رحیم کی بجائے) عزیز حکیم پڑھا۔

فقال اصبت ھذا کلام اللہ

اس نے کہا اب ٹھیک ہے یہ اللہ کا کلام ہے۔

فقلت اتقراء القرن

میں نے کہا کیا تو قرآن پڑھتا ہے؟

فقال لا

اس نے کہا نہیں

فقلت من این علمت ما ھذا کلام اللہ

میں نے کہا پھر تجھے کیسے علم ہوا کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے۔

فقال یا ھذا عز فحکم فقطع ولو غفر و رحم لما قطع

اس نے کہا بھائی یہ تو غلبہ و اقتدار اور حکومت کی بات ہے' پس اس نے حکم دیا اور چور کے ہاتھ کاٹ ڈالے اگر وہ بخش دیتا اور رحم کھاتا تو ہاتھ نہ کٹواتا۔

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات کے آخر میں بیان کردہ اسمائے الٰہی کے جملے آیات کے متن کے ساتھ ایک خاص مناسبت رکھتے ہیں اور آیت کا ہر لفظ اپنے مقام پر ایسا ٹھیک رکھا گیا ہے کہ اس کے علاوہ کی گنجائش ہی نہیں ہے ورنہ غفور و رحیم بھی خدا کے صفاتی نام اور اس کے اسمائے حسنیٰ تھے مگر یہ بھی یہاں درست نہیں بیٹھتے۔ اب غور فرمایئے کہ فرشتوں نے کیا کہا۔

قالوا سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

فرشتوں نے کہا تیری ذات پاک و پاکیزہ اور ہر عیب سے منزہ ہے ہمیں تو کوئی علم نہیں ہے سوائے اس کے جو تو نے ہی ہمیں سکھایا تھا بے شک تو علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ مسئلہ صرف یہ تھا کہ خدا کوئی بھی کام مصلحت کے خلاف نہیں کرتا' اور فرشتوں کو خدائی تعلیم کی بنا پر یہی معلوم تھا کہ زمین پر صرف

فساد کرنے والے اور خونریزی کرنے والے "جن" ہی بستے ہیں۔ "**الا ما علمتنا**" اور فساد کرنے والوں اور خونریزی کرنے والوں کو ہادی بنانا حکمت و مصلحت کے خلاف تھا اور زمین پر اس وقت کی موجود مخلوق کے علاوہ فرشتوں کو عالم ارواح میں رہنے والی مخلوق کا کوئی علم نہیں تھا' "**لا علم لنا**"

لہٰذا جب عالم ارواح میں رہنے والی مخلوق میں سے ان ہستیوں کو جنہیں فرشتوں کے بعد یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کا جانشین بنانا تھا فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا اور فرشتوں کی نظران ہستیوں کے انوار مقدسہ پر پڑی تو وہ پکار اٹھے۔ "**قالوا سبحنک**" تری ذات پاک ہے' تو ہر عیب سے منزہ ہے تو کسی غیر معصوم کو معصوم کا جانشین اور ہادی خلق مقرر نہیں کر سکتا۔ ہم تو یہی جانتے تھے کہ بس زمین پر رہنے والی مخلوق یہی ہے جن کے بارے میں تو نے ہی ہمیں سکھایا پڑھایا تھا "**الا ما علمتنا**" کہ وہ فساد و خونریزی کرتے ہیں۔

اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ اس منصب پر انہیں فائز نہیں کیا جائے گا بلکہ عالم ارواح میں رہنے والی ایک نئی مخلوق اس منصب پر فائز ہو گی جو معصوم ہو گی بے شک تو علیم و حکیم ہے نہ تو کوئی ایسا کام کر سکتا ہے جو مبنی بر جہالت ہو اور نہ ہی کوئی ایسا کام کر سکتا ہے جو حکمت و مصلحت کے خلاف ہو۔ یہاں پر لفظ **سبحنک** خاص طور پر قابل غور ہے۔

ایک عجیب و غریب امتحان

ہمیں حیرت ہے ان فاضل مفسر پر جنہوں نے اپنی تفسیر "**منشور جاوید**" جلد چہارم کے باب "شناخت انسان از روئے قرآن" میں مطلقاً انسان کو روئے زمین پر خلیفہ خدا' کا عنوان "انسان خلیفہ خدا در روئے زمین" قائم کر کے ہر انسان کو اس کے فسق و فجور سے آگاہی کے باوجود روئے زمین پر خدا کا خلیفہ قرار دینے کی ناکام کوشش کی اور "علم" اور "انبئہم" کے الفاظ کے معنی میں جو فرق ہے اس میں قطعی غور نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ تعلیم اسماء سے مراد اسرار و رموز جہان آفرینش ہے جو آدم کی نظر میں سما گئے لیکن فرشتوں میں اس قسم کے اسرار و رموز کے درک کرنے کی استعداد و صلاحیت اور لیاقت نہیں تھی افسوس کی بات یہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے

درباری علماء اور دانشوروں نے تو انہیں خلیفۃ اللہ بنانے اور یزید جیسے فاسق و فاجر اور
متوکل جیسے ظالم و جابر بادشاہ کو خلیفۃ اللہ منوانے کے لئے یہ غلط اور باطل نظریہ قائم
کیا تھا لیکن اس باطل نظریہ کی نشرو اشاعت میں انہوں نے ایسی سرتوڑ کوشش کی کہ
اس سے بعد میں آنے والے بہت سے دانشور اور فضلا بھی غفلتاً" اثر قبول کئے بغیر
نہ رہ سکے۔ اور مابعد بہت سے دانشوروں نے مغرب کی جمہوریت سے مغلوب ہو کر
اس نظریہ کو قبول کرنے میں اپنی بہتری اور خلاصی سمجھی۔ اور اس سلسلہ میں بعض
مفسرین نے تو حد ہی کر دی اور آدم کو خلافت کا اہل اور فرشتوں کو خلافت کے لئے
نااہل ثابت کرنے کے لئے یہ تک کہ دیا کہ خدا نے فرشتوں کی طرف سے اپنا استحقاق
پیش کرنے کے بعد آدم اور فرشتوں دونوں کا امتحان لیا آدم اس امتحان میں کامیاب
ہو گئے اور سارے کے سارے فرشتے فیل اور ناکام ہو گئے لہذا خدا نے آدم کو اپنا
خلیفہ بنا دیا اور فرشتوں کو نہ بنایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کے کرپٹ معاشرے نے
اپنے اوپر قیاس کر کے اسے فرشتوں اور آدم کے درمیان مقابلہ کا امتحان قرار دیا ہے
یہ تو عجیب و غریب مقابلہ کا امتحان ہے اور ایک طرح سے یہ فرشتوں کے ساتھ قطعی
زیادتی ہے کہ آدم کو تو تمام نام سکھا دیئے "و علم آدم الاسماء کلھا" اور فرشتوں کو کچھ
بھی نہ بتایا اور بغیر سکھائے ہی ان سے پوچھا کہ مجھے ان ہستیوں کے نام بتلاؤ "انبئونی
با سماء ھولاء" خدا کے اس استفسار پر فرشتوں نے بالکل سچ کہا تھا کہ ہمیں تو بس اتنا
ہی علم ہے جو تو نے ہمیں سکھایا۔ اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں ہے اور چونکہ خدا
آدم کو ان اسماء کی تعلیم دے چکا تھا لہذا فرمایا "یاٰدم انبئھم باسمائھم" اے آدم اب
تم ان کو ان کے ناموں سے آگاہ کر دو آیت کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ خود آدم
کو بھی ان اسماء کا علم نہیں تھا اگر انہیں علم ہوتا تو انہیں بھی سکھانے کی ضرورت
نہیں تھی اس میں اسرار و رموز اور ماہیت اشیاء کے درک کرنے کی کوئی بات تو
نہیں تھی۔ یہاں تو معاملہ بالکل سیدھا سادا اور صاف تھا خدا زمین پر رہنے والے
فرشتوں کو واپس بلا رہا تھا اور انکی جگہ زمین پر دوسروں کو جانشین بنا کر بھیج رہا تھا
انکی بجائے خدا کے پیغام لوگوں تک پہنچائیں اور کار ہدایت انجام دیں۔ لہذا اس بات
کی اطلاع خدا نے انہیں فرشتوں کو دی تھی جو زمین پر رہ رہے تھے اور خدا کی طرف
سے کار ہدایت اور پیغام رسالی کا کام انجام دے رہے تھے۔ چونکہ فرشتوں کو اس

وقت کی زمینی مخلوق جنوں کے علاوہ کسی اور مخلوق کا علم نہیں تھا جو سرکش اور نافرمان تھی لہٰذا انہوں نے تعجب اور حیرانگی سے یہ پوچھا تھا کہ کیا تو انہیں میں سے کسی کو ہمارا خلیفہ بنا دے گا جو زمین میں فساد و خونریزی کر رہے ہیں۔ لہٰذا خدا نے انکو ایک مختصر جواب تو یہ دیا کہ جن کو میں زمین میں تمہارا جانشین بنانے والا ہوں ان کے بارے میں خود میں ہی بہتر طور پر جانتا ہوں تم کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے اور تفصیلی جواب اس طرح سے دیا کہ آدم کو ان تمام کے نام بتلا دیئے جن کو اس نے زمین پر یکے بعد دیگرے ہادی بنا کر بھیجنا تھا اور ان میں سے ایک کو دوسرے کا جانشین بنانا تھا اور فرشتوں کے سامنے ان ہستیوں کو پیش کرنے کی غرض یہ تھی تاکہ انہیں علم ہو جائے کہ میری مخلوقات میں سے صرف جن ہی نہیں ہیں کہ میں ان کے سوا کسی اور کو ان کا خلیفہ بنا ہی نہ سکوں۔

آدم کو حکم کہ فرشتوں کو ناموں سے آگاہ کریں

"**قال یا دم انبئھم باسمائھم**"" خدا نے فرمایا: اے آدم اب تم ان ہستیوں کے ناموں سے فرشتوں کو آگاہ کر دو" آیت کا یہ جملہ خاص طور پر قابل غور ہے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ آدم کو جب خدا نے ان ہستیوں کو نام بتلائے تو فرمایا "**علم دم الاسماء کلھا**" آدم کو کل کے کل نام تعلیم کیے اور تعلیم اس چیز کی دی جاتی ہے جس کا علم نہ ہو لیکن جب آدم کو ان ہستیوں کے نام فرشتوں کو بتانے کا حکم دیا تو فرمایا "**انبئھم باسمائھم**" اے آدم فرشتوں کو ان ہستیوں کے ناموں سے آگاہ کر دو "نبا" خبر کو کہتے ہیں اور خبر اس چیز کی دی جاتی ہے جس کا علم ہو کیونکہ خدا نے ان ہستیوں کے نام ان کے صفات ان کے کارنامے آدم کو بتلا دیئے تھے سکھا دیئے تھے اور انہیں انکا علم بہ تعلیم الٰہی ہو چکا تھا لہٰذا خدا نے آدم سے کہا کہ اب تم ان آنے والوں کی فرشتوں کو خبر دیدو کہ میرے بعد ان ہستیوں نے آنا ہے اور انکی یہ صفات ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ زمین پر آنے والے ہادیوں اور خدائی اقتدار کے نمائندوں کا علم صرف خدا ہی کو ہوتا ہے وہ خود ہی جانے والے ہادی کو آنے والے ہادی کے بارے میں بتلاتا ہے اور پھر وہ دوسروں کو اسکی خبر دیتا ہے۔ کسی مشاہدہ کی بناء

پر ناگزیر سمجھتے ہوئے بھی یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ خدا فساد کرنے والوں خونریزی کرنے والوں اور غیر معصوم لوگوں کو کسی معصوم ہادی کا جانشین بنا دیے گا یقیناً وہ معصوم ہادی کا جانشین کسی معصوم ہادی کو ہی بناتا ہے اور اسکی خبر وہ خود اس ہادی کے ذریعہ سے ہی دیتا ہے۔

فرشتوں سے آخری خطاب

"فلما انبائهم باسمائهم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموت والارض وانی اعلم ماتبدون و ماکنتم تکتمون""جب آدم نے ان ہستیوں کے نام فرشتوں کو بتلا دیئے تو خدا نے ان سے کہا کیوں! میں نے کہا نہیں تھا؟ کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم رکھتا ہوں اور میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کر رہے تھے اور وہ بھی جانتا ہوں جو کچھ تم چھپا رہے تھے یعنی ہادیوں کا آنا آسمانوں اور زمین کے غیب کے علم سے متعلق ہے اور ان کا کسی کو علم نہیں ہوتا جب تک کہ خدا خود نہ بتلائے آدم کو بھی انکا اس وقت علم ہوا جب خدا نے انہیں انکے ناموں کی تعلیم دیدی اور فرشتوں کو بھی جب انکا علم ہوا جب خدا نے آدم کے ذریعہ فرشتوں کو انکی خبر دیدی گویا اس طریقہ سے خدا نے آدم کے ذریعہ فرشتوں کو آنے والے ہادیوں کی خبر دی تھی۔ اور یہ جو خدا نے کہا ہے کہ میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کر رہے تھے تو ظاہر ہے کہ وہ ظاہر تو یہی کر رہے تھے کہ کیا تو ان کو ہمارا جانشین بنا دے گا جو فساد و خونریزی کر رہے ہیں اور غیر معصوم ہیں اور چھپا وہ یہ رہے تھے کہ غیر معصوم کسی معصوم کا جانشین نہیں بن سکتا اور یہ بات حتماً" خدا کی مصلحت اور حکمت کے خلاف تھی لہٰذا انہیں حیرانی یہ تھی کہ خدا ایسا خلاف حکمت کام کیسے کر سکتا ہے لیکن یہ بات صرف خدا کے علم غیب میں تھی کہ وہ آنے والے ہادی اور خدائی اقتدار کے نمائندے کون ہوں گے اور فرشتوں کو انکی کوئی خبر نہیں تھی لہٰذا خدا نے آدم کے ذریعہ فرشتوں کو ان آنے والے ہادیوں کی خبر دی جس پر وہ مطمئن ہو گئے اور وہ ان کے اس جواب سے واضح ہے۔ جو انہوں نے "انبونی" کے جواب میں دیا کہ "قالوا سبحنک لا علم

لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم "یعنی تیری ذات پاک ہے ہمیں آسمانوں کے غیب میں اور عالم ارواح میں رہنے والی اس مخلوق کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا "لا علم لنا" ہم تو بس یہی جانتے تھے کہ زمین میں صرف یہی مخلوق ہے جو فساد اور خونریزی میں مصروف ہے اور تو نے خود ہی ہمیں اس بات کی تعلیم دی تھی "الا ما علمتنا" بیشک تو علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے تیرا کوئی کام حکمت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ الکلام

اس سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی زمین آدم کے زمین پر آنے سے پہلے بھی آباد تھی اور اس پر ایک ایسی نسل آباد تھی جو فساد و خونریزی میں مصروف تھی خداوند تعالی نے اپنی اس مخلوق کو ہدایت کرنے کے لئے فرشتوں کو زمین پر ہادی بنا کر بھیجا تھا اور اسی چیز کو فرشتوں نے "**نحن نسبح بحمدک و نقدس لک**" کے الفاظ میں بیان کیا تھا۔ بعض اسلامی روایات اور قرآنی آیات بھی اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ آدم کے زمین پر آنے سے پہلے "جن" زمین پر آباد تھے اور ابلیس جنوں کی قوم سے ہی تھا جو ایمان لا کر فرشتوں کی صحبت میں رہنے لگا تھا اور یہ ان فرشتوں کا صحابی تھا خدا نے آدم سے پہلی مخلوق میں سے بعض کی ہدایت اور بعض کی ہلاکت کے بعد یہ ارادہ کیا کہ فرشتوں کے ذریعہ ہدایت کرنے کا کام ختم کر کے انکی جگہ آدم کو انکا جانشین بنائے اور انکی نسل کو زمین پر آباد کرے اور انکی نسل میں سے ہی معصوم ہستیوں کو بطور ہادی کے تعینات کرے تاکہ ہم نوع اور ہم جنس ہونے کی بنا پر ان کے اوپر حجت ہوں پس آدم ان فرشتوں کے بعد زمین پر پہلے ہادی تھے اور موجودہ نسل انسانی کے جد اعلی تھے اور وہ نام جن سے فرشتوں کو آگاہ کیا گیا تھا وہ آدم کے بعد آدم کی نسل سے آنے والے سارے ہادیوں کے نام تھے جیسا کہ فرماتا ہے۔ "**یا بنی ادم اما یاتینکم رسل منکم**" "اے آدم کی اولاد اب تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے ہادی آیا کریں گے" لہذا "**انی جاعل فی الارض خلیفہ**" کی آیت آدم سے لیکر آخری ہادی تک کی تعیناتی کا فرمان ہے اسی وجہ سے ان کے ناموں

سے فرشتوں کو آگاہ کیا گیا اور آدم فرشتوں کے بعد پہلے خلیفہ اور ہادی تھے اور پہلے ہادی سے لیکر آخری ہادی تک یعنی خدائی اقتدار کے پہلے نمائندہ سے لیکر آخری نمائندہ تک خدا کی بارگاہ سے تقرر ہو چکا ہے خدا نے انکے نام آدم کو خود پڑھائے پھر آدم کے ذریعے انکے ناموں سے فرشتوں کو آگاہ کیا اور اسکے بعد ہر آنے والا ہادی جاتے وقت اپنے بعد آنے والے ہادی کا نام بتلا کر گیا۔ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ انسان اس وجہ سے خدا کا خلیفہ ہے کہ وہ خدا کے کام کرتا ہے اور بطور علت کے خدا کی طرف سے کام سرانجام دیتا ہے تو یہ بات سراسر غلط ہے کیونکہ ایک اکیلا انسان ہی تنہا علت نہیں ہے بلکہ علل و معالیل کا یہ سلسلہ غیر متناہی ہے سورج روشنی دیتا ہے اور حرارت پھیلاتا ہے اسکی حرارت سے سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں اور تجارات سے بادل بنتے ہیں بادلوں سے بارش برستی ہے۔ بارش کے پانی سے زمین زندہ ہوتی ہے اس سے سبزہ اُگتا ہے اس طرح سے یہ سلسلہ علل و معالیل لامتناہی ہے جس کی انتہا خدا پر جا کر ہوتی ہے لہٰذا اس طرح ہر علت خدا کی خلیفہ ہوئی صرف اکیلا اور تنہا انسان خدا کا خلیفہ نہ ہوا۔ اور بالفرض اگر یہ کہا جائے کہ خدا نے انسان کو اس لئے اپنا خلیفہ کہا ہے کہ وہ اس کے کمالات و صفات کا آئینہ ہو جیسا کہ بعض نے کہا ہے تو مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ انسانوں کی اکثریت بڑی نالائق ہے اور اکثر خدا کے صفات اور کمالات کی ضد واقع ہوئی ہے۔ نمونہ کے طور پر قرآن کی ایک ہی آیت ثبوت کے لئے کافی ہے ارشاد ہوتا ہے **"وان کثیرا" من الناس لفٰسقون"** -المائدہ - ۴۹۔ "اور بیشک لوگوں میں سے بہت سے ضرور نافرمان ہیں" چونکہ سارے انسان خدا کے صفات و کمالات کا آئینہ نہیں ہیں بلکہ ان میں سے اکثر فاسق و نافرمان ہیں لہٰذا سارے انسان خدا کے خلیفہ اس معنی میں بھی نہیں ہیں آدم کی خلافت کے بیان سے جو استدلال کئے جاتے ہیں انکی تحقیق پیش کی جا چکی ہے جس سے ثابت ہو گیا کہ نہ تو آدم خدا کی خلیفہ تھے نہ ہی اولاد آدم اور سارے انسان خدا کے خلیفہ ہیں بلکہ آدم فرشتوں کے جانشین تھے اور فرشتوں کے بعد نسل انسانی میں سے خدا کے بھیجے ہوئے پہلے ہادی تھے اب ہم ان آیات پر غور کرتے ہیں جن میں حضرت داؤد کی خلافت کا بیان ہوا ہے اور انہیں خدا کا خلیفہ قرار دیکر ان سے انسان کی خلافت پر استدلال کیا گیا ہے۔

کیا واقعاً" داؤد خدا کے خلیفہ تھے

خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یا داؤد انا جعلناک خلیفتہ فی الارض"۔ ص۔ ۲۶ "اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بہت سے مفکرین نے یہ کہا ہے کہ یہ خدا نے داؤد کو اپنا خلیفہ بنانے کا اعلان کیا ہے پس اب دیکھنا صرف یہی ہے کہ کیا واقعاً" خدا نے داؤد کو اپنا خلیفہ بنایا تھا یا یہ زمین میں کسی اور کا جانشین بنانے کا اعلان ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کریم میں اس آیت کے سیاق و سباق کا مطالعہ کریں اور اس کے قرینہ قریبہ اور قرینہ بعیدہ میں اچھی طرح سے غور کریں۔

جب ہم حضرت داؤد کے واقعات کا قرآن کریم میں مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت داؤد کا نام سب سے پہلے حضرت طالوت کے قصہ میں آتا ہے اور یہ قصہ اس طور پر ہے کہ:

موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے جنہیں ان کے گھروں سے ایک جابر بادشاہ نے نکال دیا تھا۔ اپنے زمانے کے نبی سے جسکا نام روایات میں "اشموئیل" آیا ہے یہ کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے جس کے سایہ حکومت میں ہم اس جابر بادشاہ سے جنگ کریں۔ قرآن کریم نے انکی اس درخواست کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"الم ترالی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسی اذقالوا لنبئی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ"۔ البقرہ۔ ۲۴۶۔ "کیا تم نے موسیٰ کے بعد والے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی حالت پر غور نہیں کیا جبکہ انہوں نے اپنے نبی سے یہ کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم (اس کے ساتھ ہو کر) راہ خدا میں جہاد کریں" اس کے بعد ان کے نبی کی طرف سے طالوت کو بادشاہ بنانے کے اعلان بنی اسرائیل کے اعتراض اور انکے نبی کے جواب کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"وقال لھم نبیھم ان اللہ قدبعث لکم طالوت ملکا قالوا انی یکون لہ الملک علینا و نحن احق بالملک منہ ولم یوت سعتہ من المال قال ان اللہ اصطفہ علیکم و زادہ بسطتہ فی العلم و الجسم' واللہ یوتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم" ۔ البقرہ ۔ ۲۴۷۔ اور ان کے نبی نے ان سے یہ کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے اوپر حاکم اور بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ہم حکومت کے اس سے زیادہ حق دار ہیں اور اسے مال میں تو وسعت و کشائش دی نہیں گئی ہے ان کے نبی نے کہا کہ بیشک اللہ نے اسے تم پر فضیلت دی ہے اور ہی اسے برگزیدہ کیا ہے اور اسے علم اور جسم میں تم پر فوقیت دی ہے اور اللہ اپنی حکومت جسے چاہے عنایت فرمائے اور اللہ صاحب وسعت وعلم ہے۔

قران کریم کی ان آیات میں سبق اور عبرت کی بہت سی باتیں ہیں بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے یہ کہا تھا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کیونکہ بنی اسرائیل نے یہ درخواست خود اپنے نبی سے کی تھی تو اگر وہ نبی خود ہی کسی کو بادشاہ مقرر کر دیتے تو وہ بنی اسرائیل کی درخواست کے عین مطابق ہوتا مگر ان کے نبی نے خود سے بادشاہ مقرر کرنے کی بجائے یہ کہا کہ **"ان اللہ قدبعث لکم طالوت ملکا"**۔ "اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کر دیا ہے" بنی اسرائیل جنہوں نے خود یہ درخواست کی تھی اس تقرر پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے یہ کہا کہ:

"انی یکون لہ الملک علینا و نحن احق بالملک منہ ولم یوت سعتہ من المال" البقرہ ۲۴۷۔ "وہ ہمارے اوپر حاکم اور بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ ہم حکومت کے اس سے زیادہ حق دار اور سزا وار ہیں (اور یہ حق ہمارا اس بنا پر ہے کہ ہم سرمایہ دار ہیں ہم جاگیردار ہیں ہم مالدار ہیں) اور اس کے پاس تو کچھ بھی مال و دولت نہیں ہے (لہٰذا وہ ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے۔ یہی ذہنیت اب بھی کار فرما ہے۔ بہرحال ان کے نبی نے ان کے اعتراض کا یہ جواب دیا کہ: "اللہ نے اس کو مصطفےٰ بنایا ہے اسکا اصطفےٰ کیا ہے اس کو برگزیدہ بنایا ہے اور علم میں اور جسم میں تم سب پر اسے فضیلت دی ہے اور اللہ اپنی حکومت و سلطنت اور بادشاہی جسے چاہے عنایت فرمائے۔

یہ ہے اللہ کا اپنی حکومت و سلطنت دینے کا انداز اور اس طرح ہوتا ہے

"واللہ یوتی ملکہ من یشاء" نہ یہ کہ جو غنڈہ و بدمعاش اپنے سرمایے اور طاقت کے بل بوتے پر برسر اقتدار آ جائے اسے یہ کہا جائے کہ اللہ نے اسے اپنی حکومت دی ہے اور صاحبان فضل و کمال صاحبان علم و حکمت جو گوشہ نشین ہوں انہیں یہ سمجھا جائے کہ خدا نے انہیں محروم اور ذلیل رکھا ہے۔

غرض طالوت بادشاہ بنے اور خدا کے حکم سے اور اس وقت کے نبی کے اعلان سے بادشاہ بنے اور بنی اسرائیل کی مخالفت کے باوجود بادشاہ بنے اور جب طالوت بادشاہ بن گئے تو اپنے لشکر کو لیکر جالوت بادشاہ سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے اور اپنے لشکر کو کچھ ہدایات دیں، قرآن کہتا ہے "**فلما فصل طالوت بالجنود، قال ان اللہ مبتلیکم بنھر**" البقرہ ۲۴۹۔ جب طالوت لشکر کو لے کر چلے تو انہوں نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ خدا ایک دریا کے ذریعہ تمہاری آزمائش کرے گا:

جو اس میں سے پیئے گا وہ میرا نہیں ہے اور جو اس میں سے ایک چلو بھر سے زیادہ نہ پیئے گا یقیناً" وہ میرا ہے پس ان میں سے تھوڑے سے آدمیوں کے سوا سب ہی نے پی لیا پھر جب وہ اور اس کے ایماندار ساتھی اس دریا کو عبور کر گئے تو نہر سے پانی پینے والوں نے یہ کہا کہ ہم میں تو لڑنے کی طاقت ہی نہیں ہے "**قالو لا طاقتہ لنا الیوم بجالوت و جنودہ**"۔ البقرہ۔ ۲۴۹۔ "آج تو ہم میں جالوت اور اسکی فوجوں سے لڑنے کی طاقت ہی نہیں ہے لیکن جن کو یقین تھا کہ ہم کو خدا کے سامنے جانا ہے انہوں نے کہا کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے گروہ بڑے بڑے گروہوں پر خدا کے حکم سے غالب آئے ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ "**ولما برزوا لجالوت و جنودہ قالوا ربنا افرغ علینا صبرا" و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین**"۔ البقرہ۔ ۲۵۰۔ "اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کے لئے نکلے تو انہوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار ہمکو صبر عنایت فرما اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور اس کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما"۔

اب اس کے بعد وہ آیت آتی ہے جس میں حضرت داؤد کا پہلی مرتبہ ذکر آیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔ "**فھزموھم باذن اللہ قف و قتل داؤد جالوت واتہ اللہ الملک والحکمتہ و علمہ مما یشاء**"۔ البقرہ۔ ۲۵۱۔ "پھر انہوں نے اللہ کے حکم سے ان کے دشمنوں کو شکست دیدی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور خدا نے داؤد کو

سلطنت و بادشاہی بھی دیدی اور حکمت و نبوت بھی عطا فرمائی اور جو جو کچھ مناسب سمجھا تعلیم فرما دیا۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ خدا نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے داؤد کو خلافت دیدی بلکہ یہ کہا کہ ہم نے داؤد کو سلطنت و بادشاہی دی اور انہیں نبوت عطا فرمائی۔ تاریخ و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد حضرت طالوت کے لشکر میں سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے یا ان کے لشکر کے سپہ سالار تھے لہٰذا جالوت بادشاہ جو کافر تھا اور طالوت کے مقابلہ میں لڑ رہا تھا' اس جنگ میں حضرت داؤد کے ہاتھ سے مارا گیا۔ قرآن کہتا ہے ۔ "**وقتل دائود جالوت**" ۔ البقرہ ۔ ۲۵۱۔ "اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔ اسی اثناء میں حضرت طالوت اور وہ نبی بھی انتقال کر گئے جنہوں نے طالوت کی بادشاہی کا اعلان کیا تھا لہٰذا اس نبی کی وفات کے بعد اس نبی کے جانشین بھی حضرت داؤد ہی بنے اور جالوت کے ملک کے ساتھ ساتھ طالوت کی بادشاہی بھی آپ کی طرف منتقل ہو گئی اور آپ ان دونوں کے جانشین قرار پائے حضرت طالوت کی جگہ تو بادشاہت ملی "**واتہ اللہ الملک**" "یعنی وہ بادشاہی جو اللہ نے اشموئیل نبی کے ذریعہ طالوت کو عطا فرمائی تھی داؤد کو عطا فرما دی اور اشموئیل کی جگہ بحیثیت نبی بھی اشموئیل کے جانشین قرار پائے۔

اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جسے ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں' خداوند تعالی پہلے تو سورہ ص میں کفار و مشرکین کی دل آزاریوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ "**وقالوا ربنا عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب**" ۔ ص ۔ ۱۶ "اور ان کفار نے یہ کہا کہ اے ہمارے پروردگار روز حساب سے پہلے پہلے ہمارے حصہ کا عذاب تو ہمارے لئے جلدی ہی بھیج دے"۔ پیغمبر اکرم کفار و مشرکین کو عذاب آخرت کے علاوہ ان قوموں کی طرح جو پہلے گزر چکی تھیں گرفتار عذاب ہونے سے ڈراتے تھے' لہٰذا وہ کہتے تھے کہ تم دیر نہ کرو جونسا عذاب لانا ہے وہ جلدی لے آؤ۔ اب اس مقام پر خدا اپنے پیغمبر کو تسلی اور دلاسا دیتے ہوئے فرماتا ہے ۔ "**اصبر علی مایقولون واذکر عبدنا دائود ذا الایْد انہ اواب انا سخرنا الجبال معہ یسجن بالعشی والا شراق والطیر محشورۃ کل لہ اواب وشدد نا ملکہ و اتینہ الحکمتہ و فصل الخطاب**" ۔ ص ۔۱۷ تا ۲۰ ۔ "اے میرے حبیب جو کچھ یہ کہتے ہیں تم اس پر صبر کرو اور ہمارے قوت

والے بندے داؤد کا واقعہ یاد کرو بیشک وہ بڑے رجوع کرنے والے تھے ہم نے پہاڑوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا تھا وہ ان کے ساتھ صبح شام تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندے بھی ان کے پاس جمع رہتے تھے اور وہ سب کے سب ان کے مطیع تھے اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ہم نے ان کو قانون شریعت اور فیصلہ کرنے کی قوت عطا کی تھی۔

اس کے بعد آیہ ۲۱ تا ۲۵ میں قانون شریعت کے بارے میں حضرت داؤد کے ایک فیصلہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"یا داؤد انا جعلناک خلیفتہ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ"۔ ص ۔۲۶ " اے داؤد ہم نے تمہیں (اشموئیل نبی اور سابقہ فرمانبرواؤں کا جانشین بنایا ہے یعنی جالوت کی سلطنت کا مالک اور طالوت کی جگہ بادشاہ اور اشموئیل نبی کی جگہ انکا قائم مقام نبی بنایا ہے اور جالوت کی حکومت کا خاتمہ کر کے تمہاری حکومت و سلطنت کو مضبوط بنا دیا ہے اور تم نبوت اور بادشاہت میں ان سب کے خلیفہ یعنی جانشین ہو اور ان دونوں ذمہ داریوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلے کیا کرو اور اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں راہ خدا سے بھٹکا دیگی"۔

اس سارے واقعہ کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اپنے پیغمبر کو تسلی اور دلاسا دیتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اب تو تم ان کافروں کے مغلوب و مقہور ہو اور یہ بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں لیکن تم ذرا صبر کرو وہ دن قریب آنے والا ہے کہ یہ مذاق اڑانے والے خود مغلوب ہو جائیں گے اور جس طرح ہم نے طالوت کی بادشاہت اور جالوت کی حکومت داؤد کو منتقل کر کے انکی سلطنت کو مضبوط بنا دیا تھا اس طرح سے تمہاری حکومت بھی مستحکم ہو جائے گی۔

اس واقعہ میں یہ نکتہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ بنی اسرائیل کی درخواست پر خدا نے طالوت کو بادشاہ بنایا اور انکی بادشاہت کا اعلان ان کے نبی سے کروایا لیکن نہ تو خدا نے اور نہ ہی ان کے نبی نے نہ قرآن نے اور نہ ہی پیغمبر اسلام نے کسی نے بھی طالوت کو خلیفہ نہیں کہا حالانکہ وہ برسر اقتدار رہے اور جب جالوت کے قتل

ہونے کے بعد اور طالوت و اشموئیل کی وفات کے بعد داؤد بادشاہ بنے تو وہ عام طور
بادشاہ کہلائے بلکہ بنی اسرائیل تو ان کے نبی ہونے کی بجائے انکا بادشاہ ہونے کے
ساتھ زیادہ تعارف کراتے ہیں اور بیشک داؤد نے بادشاہی کی اور بہت اچھی طرح
بادشاہی کی جبکہ وہ نبی بھی تھے لہٰذا خدا نے اور قرآن نے جو انکو زمین میں خلیفہ بنا
کا ذکر کیا ہے تو یہ کسی منصب یا عہدہ کا بیان نہیں ہے بلکہ یہ خلیفہ کے اسی معنی کی
تصدیق ہے جسکا بیان سابق میں ابن اثیر جزری کی نھایتہ اللغتہ کے حوالہ سے گزر چکا
ہے۔

اس مقام پر ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے کہ خدا نے داؤد کی وفات کے بعد
جب نبوت و بادشاہی میں حضرت سلیمان کو حضرت داؤد کا جانشین بنایا تو حضرت سلیمان
کو نہ تو خلیفہ کہا اور نہ ہی بادشاہ کہا بلکہ یہ فرمایا کہ:

"ولقد اتینا دائود و سلیمان علما و قالا الحمد للہ الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المومنین و ورث سلیمان دائود و قال یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شئی ان ھذا ھوا الفضل المبین و حشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون" ۔ النمل۔ ۱۵-۱۷۔ "اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا اور ان دونوں نے یہ کہا کہ سب تعریف اس خدا کے لئے ہے جس نے اپنے بندوں میں سے بہت سوں پر ہمیں فضیلت دی ہے۔ اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے یہ کہا کہ اے لوگوں ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہم کو ہر چیز میں سے حصہ دیا گیا ہے یقیناً" یہی تو کھلی ہوئی فضیلت ہے اور سلیمان کے لئے جنوں میں سے بھی، انسانوں میں سے بھی اور پرندوں میں سے بھی لشکر اکٹھے کئے گئے تھے وہ سب کے سب "قسم وار" پاس پاس کھڑے کئے جاتے تھے۔

تاریخ و روایات اور احادیث و قرآن اس بات کے شاید ہیں کہ حضرت طالوت
بھی بادشاہ تھے (گو وہ نبی نہ تھے) حضرت داؤد بھی بادشاہ تھے اور حضرت سلیمان بھی
بادشاہ تھے اور یہ دونوں نبی بھی تھے لیکن ان تینوں میں سے حضرت طالوت کو خدا نے
بادشاہ کہا خلیفہ نہیں کہا، حضرت داؤد کو خدا نے بادشاہ بھی کہا انکی نبوت کا بھی اعلان
کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تمہیں زمین میں (دوسروں کا) خلیفہ بنایا ہے حضرت
سلیمان کو بادشاہ بھی کہا انکی نبوت کا اعلان بھی کیا مگر ان کے لئے یہ نہیں کہا کہ نہیں

(دوسروں کا) خلیفہ بنایا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ: "و ورث سلیمان دائود" النمل ۱۶۔ "اور داؤد سلیمان کے وارث ہوئے۔ اس سارے بیان سے ثابت ہو گیا کہ خلیفہ یا خلافت کوئی منصب نہیں ہے ورنہ حضرت طالوت حق رکھتے تھے کہ بادشاہ کی بجائے خلیفہ کہلاتے انکو تو اقتدار بھی خدا کے حکم اور اس زمانہ کے نبی کے فرمان سے ملا تھا لیکن چونکہ وہ کسی کے مرنے یا تبدیل ہونے کے بعد اس کے جانشین نہیں بنے تھے لہٰذا تاریخ و روایات اور احادیث و قرآن میں کہیں بھی انکے لئے خلیفہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا وہ پہلے مرحلہ میں ابتدائی طور پر بادشاہ بنائے گئے تھے لہٰذا وہ ہمیشہ بادشاہ رہے۔ طالوت کی وفات اور اشموئیل پیغمبر کی رحلت اور جالوت کے قتل کے بعد چونکہ خدا نے حضرت داؤد کو جالوت کا ملک۔ طالوت کی بادشاہی اور اشموئیل کی جانشینی میں نبوت عطا فرمائی تھی لہٰذا خدا نے فرمایا۔ "یا دائود انا جعلناک خلیفتہ فی الارض" "اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں (اشموئیل اور طالوت کی جگہ ان کا جانشین (خلیفہ) بنا دیا ہے یعنی تمہیں نبوت بھی عطا کر دی ہے اور بادشاہت بھی پس داؤد اشموئیل اور طالوت بادشاہ کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ حضرت داؤد سے پہلے بنی اسرائیل میں نبوت اور بادشاہی جدا جدا تھے حضرت داؤد میں دونوں جمع ہو گئیں' لہٰذا اس بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت داؤد کی خلافت سے یہ استدلال کہ انسان خدا کا خلیفہ ہے غلط اور باطل ہے اس آیت سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ داؤد خدا کے خلیفہ تھے اور نہ ہی اس سے یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ انسان خدا کا خلیفہ ہے جیسا کہ مولانا مودودی صاحب اور انکے ہم خیال مفکرین نے استدلال کیا ہے اب ہم ان آیات کی طرف رجوع کرتے ہیں جن میں مختلف اقوام کے لئے خلفاء خلائف اور یستخلف وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں اور ان سے استدلال کر کے یہ کہا گیا ہے کہ ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے۔ لہٰذا اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کیا خدا نے ان الفاظ کے ذریعہ ان قوموں کو اپنا خلیفہ بنایا ہے یا کسی اور کا؟

کیا انسان خدا کا خلیفہ ہے

خلافت کو کوئی عہدہ یا منصب قرار دینے والے اور تمام انسانوں کو خدا کا خلیفہ

ثابت کرنے والے ان آیات کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جن میں "خلف
"خلائف" اور "یستخلف" کے الفاظ آئے ہیں اور یہ الفاظ صرف اور صرف خصو
طور پر قوم نوح، قوم ہود، قوم عاد، قوم ثمود اور بنی اسرائیل کے قصوں میں وا
ہوئے ہیں اور قرآن کریم نے ان قوموں کے حالات کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان
ہے۔ لہذا ان الفاظ کا صحیح مطلب اور مفہوم معلوم کرنے کے لئے ان قوموں
حالات کا جاننا ضروری ہے۔ ان قوموں کے حالات بیان کرنے سے پہلے ایک بات
بیان کرنا مناسب معلوم دیتا ہے اور وہ یہ کہ آثار قدیمہ کے ماہرین نے جو انس
ڈھانچے نکالے ہیں ان کی مطابق وہ لاکھوں سال پہلے کی انسانی ڈھانچے ہیں جو کسی آ
کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے گویا یہ آدم سے پہلے کی کسی نسل کے ڈھانچے ہیں
اس صورت میں آدم کے بعد کی نسل انسانی آدم سے پہلے کی نسل انسانی کی جانشی
قرار پائے گی۔ لیکن ماہرین آثار قدیمہ کی مذکورہ تحقیق سے قطع نظر آدم کے آ
کے بعد بھی آدم کی اولاد میں سے نسل انسانی بھی کئی دفعہ ہلاکت سے دوچار ہوئی ہے
قرآن کریم اس سلسلہ میں اجمالی طور پر اسطرح سے بیان کرتا ہے: "**وکم اھلکنا م**
القرون من بعد نوح و کفی بربک بذنوب عبادہ خبیرا" بصیرا"" ۔ بنی اسرائیل
۱۷۔ ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی نسلوں کو ہلاک کر ڈالا اور تیرا رب اپنے بندوں
گناہوں کو جاننے اور دیکھنے کے لئے کافی ہے پھر سورہ مریم میں ارشاد ہوتا ہے "و ک
اھلکنا قبلھم من قرن ھل تحس منھم من احد اوتسمع لھم رکزا"۔ مریم ۔ ۹۸
"اور ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی زمانوں کے لوگوں کو اور کتنی ہی نسلوں کو ہلاک کر
دیا ہے۔ آیا اب ان میں سے تم کسی کو حرکت کرتے ہوئے محسوس کرتے ہو یا ان کی
کوئی خفیہ آواز تک بھی سنتے ہو۔ پھر سورہ مرسلات میں ایک اصل کلی کو اس طر
سے بیان کرتا ہے۔ "**الم نھلک الاولین ثم نتبعھم الاخرین کذالک نفعل**
بالمجرمین"۔ مرسلات۔ ۱۶ تا ۱۸۔ "کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا پھر ہم پچھلوں
کو ان کے پیچھے پیچھے بھیجتے رہتے ہیں ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے
ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اس آیت میں جس ہلاکت کا ذکر ہوا ہے وہ طبعی موت
والی ہلاکت نہیں ہے کیونکہ طبعی موت کسی کو نہیں دیکھتی یہ مجرم اور متقی دونوں کو
آتی ہے۔ لیکن اس آیت میں جس ہلاکت کا ذکر ہے وہ مجرموں کے ساتھ مخصوص

ہے اور یہ ہلاکت اسی دنیا کی ہلاکت ہے لہٰذا یہ عذاب الٰہی سے ہلاک ہونے کا بیان ہے۔ عذاب الٰہی سے ہلاک ہونے کے علاوہ ایک طبعی موت سے مرنا بھی ہلاکت ہی ہے، جسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "**کل شئی ھالک الا و جھہ**"۔ القصص۔ ۸۸۔ "خدا کی ذات کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے"۔ اس میں انسان کی قید نہیں ہے ہر شے میں جمادات نباتات۔ حیوانات اور انسان وغیرہ سب ہی آ گئے۔ اور یہ سب کے سب اپنی طبعی مدت پوری کر کے ختم ہو جاتے ہیں ان میں انسان بھی شامل ہے۔ گویا انسان کے لئے دو ہلاکتیں ہیں ایک عذاب کے ذریعہ جس میں نسلیں کی نسلیں ایک دم ختم ہو جاتی ہیں دوسرے طبعی موت کے ذریعہ جو اپنی طبعی عمر پوری کر کے ختم ہوتی ہیں۔ پہلی صورت میں ہلاکت کے بعد جو لوگ ان کی جگہ بستے اور ان کی جگہ لیتے ہیں وہ ان کے قائم مقام اور ان کے جانشین ہوتے ہیں اور قرآن کی اصطلاح میں وہ ان کے خلفاء یا خلائف کہلاتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں بھی ایک پوری نسل ایک دوسری نسل کی اس طرح سے جانشین ہو جاتی ہے کہ پہلی نسل پوری کی پوری جا چکی ہوتی ہے۔ مثلاً" فرض کریں کہ آج انسان ایک دن کے بچہ سے لے کر زیادہ سے زیادہ سو برس کا یا حد ۱۵۰ برس کا ہو گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آج سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے موجودہ نسل انسانی میں سے کوئی بھی فرد بشر موجود نہیں تھا اور ایک اور ہی نسل زمین پر زندگی بسر کر رہی تھی۔ لہٰذا موجودہ سو ڈیڑھ سو سال کی ساری کی ساری نسل انسانی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کے انسانوں کی جانشین ہے اور قرآن نے ان کو بھی ان پہلے لوگوں اور اس پہلی نسل کا جانشین اور خلفاء یا خلائف کہا ہے۔ اب ہم ان قوموں کی تباہی کا حال لکھتے ہیں جو عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئیں اور ان کے بعد ان کی جگہ زمین پر آباد ہونے والوں ان کی جگہ بسنے والوں اور ان کی جگہ لینے والوں کو قرآن نے خلفاء یا خلائف کہا ہے۔

خدا نے خلفاء یا خلائف اور یستخلف کن کو کہا ہے؟

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ گزشتہ قوموں کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے پس ماندگان اور زندہ بچ رہنے والوں

کے لئے استعمال ہوئے ہیں جو ان کی جگہ آباد ہوئے لہٰذا آیئے ان قوموں کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں جن کے بارے میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ سب سے پہلے یہ لفظ قرآن کریم میں قوم نوح کے پس ماندگان کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور ان کا واقعہ مختصر طور پر اس طرح ہے کہ جب حضرت نوح اپنی قوم کے پاس آئے تو انہوں نے اپنی قوم کو خدا کی عبادت کی طرف دعوت دی اور انہیں ایک بڑے عذاب سے ڈرایا قرآن کہتا ہے: "لقد ارسلنا نوحا" الی قومہ فقال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ' انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم۔" ۔الاعراف۔ ۵۹۔ "ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا پس انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے میں تمہارے اوپر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔ "فکذبوہ فانجینہ والذین معہ فی الفلک و اغرقنا الذین کذبوا بایتنا انہم قوما" عمین"۔ الاعراف ۔۶۴۔ "پس نوح کی قوم نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے خود ان کو اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے کشتی میں نجات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انکو ہم نے غرق کر دیا بیشک وہ لوگ کور باطن تھے"۔ خدا وند تعالی نے قوم نوح کے تمام کافروں کو ہلاک کر کے نوح کو اور ان پر ایمان لانے والے جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو نجات دی جنکی تعداد ایک قول کے مطابق آٹھ اور ایک قول کے مطابق اسی تھی۔ خدا وند تعالی نے انہیں زمین پر آباد کیا اور زمین پر ان آباد ہونے والوں کو خدا نے خلائف کہا ارشاد ہوتا ہے۔ "فکذبوہ فنجینہ ومن معہ فی الفلک و جعلنھم خلائف و اغرقنا الذین کذبوا بایتنا' فانظر کیف کان عاقبتہ المنذرین"۔ یونس ۔ ۷۳۔ "پس نوح کی قوم نے نوح کو جھٹلایا تو ہم نے خود ان کو اور جو لوگ کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے ان کو نجات دی اور ان کو (ان غرق ہونے والے تمام لوگوں کا) جانشین (خلائف) بنا دیا اور ان تمام لوگوں کو جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے ڈبو دیا پس سوچ لو کہ ان لوگوں کا جنکو ڈرایا گیا تھا کیسا انجام ہوا۔ کتنا صاف اور واضح بیان ہے کہ جھٹلانے والوں کو غرق کر دیا اور نوح کو اور جو لوگ کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے انہیں نجات دی اور انہیں غرق ہونے والوں کا خلائف بنا دیا۔ یعنی اب زمین پر کشتی میں نجات پانے والے آباد ہوئے اور قوم نوح کے پس ماندگان اور زندہ بچ رہنے والے ان مرنے والوں کے خلائف کہلائے۔ جن کی

اولاد میں قوم عاد ہوئی ۔ اور جب یہ قوم عاد بگڑی تو خدا نے ان ہی میں سے ان کے بھائی ھود کو ان کے پاس بھیجا ۔"والی علاد اخاھم ھود قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ افلا تتقون" ۔ الاعراف۔ ۶۵۔ "اور عاد کی طرف ہم نے انہیں کے بھائی ھود کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم (خدا کے عذاب سے) نہیں ڈرتے"۔ ھود نے انہیں خدا کا یہ احسان بھی یاد دلایا کہ خدا نے انہیں کشتی کے ذریعہ نجات دے کر اور کافروں کو غرق کر کے ان کی جگہ زمین میں بسایا تھا۔ ھود کہتے ہیں۔ "واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح" ۔ الاعراف۔ ۶۹۔ "اے قوم عاد اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے قوم نوح کو غرق کر کے تمہیں ان کا جانشین (خلفاء) بنایا تھا اور ان کی بجائے تمہیں زمین میں بسایا تھا۔ سورہ یونس کی آیت ۷۳ میں کشتی میں نجات پانے والوں کے لئے کہا کہ انہیں ڈوبنے والوں کا خلائف بنایا اور ھود کہتے ہیں کہ قوم نوح کو غرق کرنے کے بعد تمہیں ان کے خلفاء بنایا ہے۔پس خلائف بھی اور خلفاء بھی ان دونوں آیات میں اس معنی میں ہے کہ نوح کی قوم ساری کی ساری غرق ہو گئی اور جو تھوڑے بہت زندہ بچے انہیں ان کی جگہ زمین پر بسایا گیا اور وہ قوم نوح کے جانشین بنے۔ لہذا ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انسان خدا کا خلیفہ ہے سراسر غلط ہے۔ خدا نے تو زندہ بچ رہنے والوں کو ڈوبنے والوں کا خلائف اور خلفاء کہا ہے اور اپنا خلیفہ نہیں کہا اور نہ ہی یہاں اقتدار کی کوئی بات ہے اور نہ ہی کسی کے حق میں دست بردار ہونے کا کوئی قصہ ہے ۔ اور جب قوم عاد نے کفرو شرک کی راہ اختیار کر لی تو حضرت ھود نے ان سے کہا "فان تولوا فقد ابلغتکم ما ارسلت بہ الیکم و یستخلف ربی قوما غیرکم ولا تضرونہ شیئا ان ربی علی کل شئی حفیظ" ۔ ھود۔ ۵۷ "جو حکم دے کر میں تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ تو میں نے پہنچا دیا اب اگر تم اس کے حکم سے منہ پھیرو گے اور اسکی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہاری نافرمانی پر تمہیں ہلاک کر دے گا اور وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو تمہارا جانشین بنا دے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں:۔ یعنی ایسی صاف اور کھری کھری باتیں سن کر بھی نہ مانو گے تو اب میرا کچھ نقصان نہیں میں فرض تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا تم اپنی فکر کر لو ضرور ہے کہ اس قسم کی ہٹ دھرمی اور تعصب اور

عناد پر آسمان سے عذاب آئے جو تم کو ہلاک کر ڈالے ۔ خدا کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہو گی وہ دوسرے لوگوں کو تمہارے اموال وغیرہ کا وارث بنادے گا۔ تمہارا قصہ ختم کر دینے سے یاد رکھو خدا کا یا اس کے پیغمبر کا کچھ نہیں بگڑتا نہ اس کا ملک خراب ہوتا ہے جب وہ ہر چیز کا محافظ و نگران ہے تو ہر قابل حفاظت چیز کی حفاظت کا سامان اپنی قدرت کاملہ سے کرے گا۔ تفسیر عثمانی ۔ف ۳۔ ص ۲۹۵۔

بہرحال اس آیت میں واقع "مستخلف" کے لفظ سے ثابت ہوا کہ "مستخلف کا لفظ عذاب کے ذریعہ ہلاک کر کے دوسروں کو ان کی جگہ آباد کرنے کے لئے آتا ہے چنانچہ جب حضرت ھود کی ہدایت کے باوجود قوم عاد ایمان نہ لائی تو خدا نے قوم عاد کے کافروں پر بھی عذاب نازل کر دیا اور صرف انہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو زندہ سلامت بچا لیا ارشاد ہوتا ہے ۔"ولما جاء امرنا نجینا ھودا" والذین امنوا معہ برحمۃ منا و نجینھم من عذاب غلیظ" ۔ ھود۔ ۵۸۔ "اور جب ہمارے عذاب کا حکم آ پہنچا تو ہم نے ھود کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی مہربانی سے نجات دی اور انہیں سخت عذاب سے زندہ بچا لیا"۔

پھر قوم عاد میں سے یہ زندہ بچ رہنے والے زمین میں آباد ہوئے پھلے پھولے اور قوم ثمود کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور جب قوم ثمود نے بھی کفر اور شرک کی راہ اختیار کر لی تو خدا نے ان کی طرف ان ہی کے بھائی صالح کو ہدایت کرنے کے لئے بھیجا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔"والی ثمود اخاھم صالحا" قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ"۔ الاعراف۔ ۷۳۔ "اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا انہوں نے ان سے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔" حضرت صالح نے اپنی قوم ثمود کو اللہ کا یہ احسان بھی یاد دلایا کہ اللہ نے قوم عاد کو ہلاک کرتے وقت تمہیں زندہ بچایا تھا اور تمہیں ان کی جگہ آباد کیا تھا او ہوتا ہے۔"واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد و بواکم فی الارض تتخذون من سھو لھا قصورا و و تنحتون من الجبال بیوتا فاذکرو الاء اللہ ولا تعثو فی الارض مفسدین "۔ الاعراف۔ ۷۴۔ " اور تم (اللہ کے اس احسان کو) یاد رکھو کہ اس نے تمہیں قوم عاد (کی ہلاکت) کے بعد (زندہ بچا کر) ان کا جانشین بنایا تھا۔ اور تم کو زمین میں آباد کیا تھا کہ نرم زمین میں تو تم محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو کاٹ کاٹ

کر گھر بناتے ہو تو اب اللہ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہو اور زمین میں فساد کرتے مت پھرو۔

اس آیت میں "بواکم فی الارض" (تمہیں زمین میں ان کی جگہ آباد کیا) کہہ کر جعلکم خلفاء من بعد عاد کی وضاحت کی گئی ہے کہ کسی قوم کو ہلاک کر کے ان کے پس ماندگان کو یا کسی دوسری قوم کو ان کی جگہ بسانا اور آباد کرنا ہی ان کی جانشینی ہے اور وہ ان کے "خلفاء" اور "خلائف" ہیں اور نرم زمین میں محل بنانا اور پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بنانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امن و سلامتی کے ساتھ آباد ہونے اور بسنے کی بات ہے کسی اقتدار یا منصب پر فائز ہونے کی بات نہیں ہے اس کے بعد اپنا احسان جتا کر کہتا ہے کہ "ولا تعثوا فی الارض مفسدین"۔" اور تم زمین میں فساد کرتے مت پھرو"۔ یہاں پر زمین پر فساد کرنے سے مراد خدا کے مقرر کردہ ہادی کی اطاعت سے انحراف اور خدائی اقتدار کے نمائندوں یعنی نبی و رسول و امام کی مخالفت ہے اور اس پر اسی سورہ کی اگلی آیت واضح طور پر دلالت کرتی ہے ارشاد ہے۔"قال الملاء الذین استکبروا من قومہ للذین استضعفوا لمن امن منھم اتعلمون ان صالحا مرسل من ربہ قالوا انا بما ارسل بہ مومنون"۔ الاعراف۔ ۷۵۔ "ان کی قوم میں سے جو خود سے بڑے بن گئے تھے اور سردار یا حاکم بن بیٹھے تھے انہوں نے ان لوگوں میں سے جو کمزور بنا دیئے گئے تھے ایمان لانے والوں سے یہ کہا کیا تم یہ جانتے ہو کہ صالح خدا کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے انہوں نے کہا کہ جو کچھ یہ لے کر آئے ہیں ہم تو بالیقین اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس آیت میں زمین پر آباد ہونے والی نسل انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دکھایا گیا ہے ایک "الذین استکبروا" ۔ "جو خود سے اپنے ہی آپ از راہ تکبر بڑے بن گئے' اقتدار سنبھال لیا اور حاکم بن بیٹھے۔ اور دوسرے وہ لوگ جو کمزور بنا دیئے گئے مغلوب کر لئے گئے انہیں قرآن نے "استضعفوا" کے لفظ سے یاد کیا ہے' پس ایک گروہ مستکبرین کا ہوا اور دوسرا مستضعفین' کا حضرت صالح پر ایمان لانے والوں میں ان ہی مستضعفین کے کچھ افراد تھے۔ لیکن وہ لوگ جو خود سے بڑے بن گئے تھے مستکبرین تھے برسراقتدار آ گئے تھے حاکم بن گئے تھے وہ بالکل ایمان نہ لائے قرآن کہتا ہے۔"قال الذین استکبروا انا بالذی امنتم بہ کافرون"۔ "خود سے بڑے بن جانے

والوں نے اور بر سر اقتدار آ جانے والوں نے یہ کہا کہ تم جس پر ایمان رکھتے ہو ہم اس کے بالیقین منکر ہیں"۔ ان آیات کا واضح مطلب یہ ہے کہ خدا کے مقرر کردہ ہادی اور خدائی اقتدار کے نمائندوں کی اطاعت سے انحراف زمین میں فساد ہے اور کسی کا اپنے طور پر بر سر اقتدار آجانا خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے آئے۔ استکبار ہے۔

اب ہم پھر حضرت ھود کی پیش گوئی کی طرف لوٹتے ہیں حضرت ھود نے فرمایا۔ "یستخلف ربی قوما غیر کم"۔ "تیرا رب تمہیں ہلاک کر کے کسی دوسری قوم کو تمہارا جانشین بنا دے گا یعنی ھود کے یہ کہنے میں کہ "یستخلف" کافر قوم کے لئے عذاب کی پیش گوئی ہے۔ گویا جب خدا "خلف" کے مادہ کو باب "استفعال" میں لا کر استخلاف کے اشتقاق کے ساتھ بیان کرتا ہے تو اس میں کافروں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ ایمان لانے والوں کو بسانے کی پیش گوئی ہوتی ہے خدا کا اپنا خلیفہ بنانے کی پیش گوئی نہیں ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں خلفاء اور خلائف کے الفاظ کسی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے پس ماندگان کے لئے آتے ہیں جو ان کی جگہ آباد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قوم نوح "طوفان میں غرق ہوئی اور کشتی میں زندہ بچ رہنے والوں اور زمین پر نئے سرے سے آباد ہونے والوں کو خدا نے تو "خلائف" کہا۔ یونس۔ ۷۳ اور حضرت ھود نے انہیں کو خدا کا یہ احسان یاد دلاتے ہوئے کہ خدا نے سارے کافروں کو ہلاک کر کے انہیں زندہ بچا لیا تھا اور انہیں ان کی جگہ آباد کیا تھا "خلفاء" کہا۔ الاعراف۔ ۶۹۔ اور "یستخلف" کا لفظ کسی قوم پر عذاب کے بعد دوسروں کو آباد کرنے کی پیش گوئی کے لئے آتا ہے اور سورہ الاعراف کی آیت ۷۴ کا لفظ "بوأکم" (تمہیں آباد کیا) "یستخلف" کی وہ تفسیر ہے جو حضرت صالح کی زبانی خود خدا نے بیان فرمائی ہے۔ پس قوم نوح ہلاک ہوئی اور ان کے پس ماندگان اور بچے کھچے لوگ ان کی جگہ زمین پر آباد ہوئے اور قوم نوح کے خلفاء کہلائے اور ان کی اولاد میں قوم عاد ہوئی پھر قوم عاد ہلاک ہوئی اور ان کے پس ماندگان اور بچے کھچے لوگ ان کی جگہ زمین پر آباد ہوئے۔ اور قوم عاد کے خلفاء کہلائے اور ان کی اولاد میں قوم ثمود ہوئی سورہ فاطر اور سورہ یونس میں بھی "خلائف" کا لفظ آیا ہے جو مکی سورتیں ہیں اور ان میں پیغمبر کے زمانہ کے کافروں سے خطاب ہے سورہ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے۔ "ہوالذی جعلکم خلئف فی الارض فمن کفر فعلیہ کفرہ"۔ الفاطر۔ ۳۹۔ "وہی تو ہے

جس نے تمہیں زمین میں پہلوں کا جانشین بنایا پس جو کافر ہو گیا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہو گا۔ اور سورہ یونس میں پیغمبر اکرمؐ کے زمانے ہی کے کافروں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **"ولقد اھلکنا القرون من قبلکم لماظلموا وجاء تھم رسلھم بالبینت وما کانوا لیومنوا کذالک نجزے القوم المجرمین' ثم جعلنا کم خلیف فی الارض من بعد ھم لننظر کیف تعملون"**۔ یونس۔ ۱۳-۱۴۔ "بیشک ہم نے تم سے پہلے بہت سے نسلوں ۔ پشتوں اور ابنائے زمانہ کو ہلاک کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے نافرمانیاں کی تھیں حالانکہ ان کے رسول ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے مگر وہ اس قابل ہی نہ تھے کہ ایمان لاتے ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں ان کا جانشین بنایا اور ان کی جگہ تمہیں آباد کیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ ان آیات میں "اھلکنا القرون من قبلکم" "یعنی ہم نے تم سے پہلے بہت سی نسلوں کو ہلاک کر دیا" کہنے کے بعد یہ کہنا کہ **"ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعد ھم"** ۔ "پھر ہم نے ان کے بعد تم کو ان ہلاک ہونے والی نسلوں کا جانشین بنایا ۔ اتنا واضح اور روشن بیان ہے کہ اس میں نہ تو انسان کے خدا کا خلیفہ ہونے کی کوئی بات ہے نہ کسی قوم کے خدا کا خلیفہ ہونے کی بات ہے اور نہ ہی اس میں کسی کے حق میں دست بردار ہو کر کسی کو سربراہ مملکت بنانے کی بات ہے بلکہ یہ صرف اپنا ایک عقیدہ قائم کر کے اپنے اس پہلے سے قائم کردہ عقیدہ پر زبردستی قرآن کی آیات کو چپکانے کی بات ہے جیسا کہ مولانا مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۳۴ پر لکھا ہے کہ "ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے"۔ بہرحال یہاں تک "خلیفہ" "خلفاء" اور "خلائف" کے الفاظ کی تحقیق و تشریح و توضیع، تفصیلی طور پر احسن طریقہ سے ہو چکی ہے، اب ہم اس سے آگے **"یستخلف"** کے بارے میں کچھ مزید وضاحت کریں گے مزید وضاحت اس لئے کہ کچھ وضاحت حضرت ھود کی پیش گوئی میں کی جا چکی ہے وہاں رجوع کریں۔

"یستخلف"

کافروں کو ہلاک کر کے

اہل ایمان کو ان کا وارث بنانے کی پیش گوئی

قرآن کریم میں یہ لفظ تین مقامات پر تین ضمیروں کے ساتھ آیا ہے:

ا۔ **یستخلف**: وہ جانشین بنا دے گا دوسروں کو تمہارا۔ (ھود۔ ۵۷)

۲۔ **یستخلفکم**: وہ جانشین بنا دے گا تم کو دوسروں کا (الاعراف۔ ۱۲۹)

۳۔ **یستخلفنهم**: وہ ضرور ضرور جانشین بنائے گا انکو دوسروں کا۔ (النور۔ ۵۵)

یہ الفاظ جن جن آیات اور جن جن واقعات میں وارد ہوئے ہیں ان میں غور کرنے سے بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ یہ خدا نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ایمان نہ لانے والوں پر عذاب نازل کر کے ایمان لانے والوں کو ان کا وارث بنانے کی پیش گوئی کی ہے۔ پہلے لفظ میں اپنے مخاطبین قوم عاد کو ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب سے ہلاک کر کے دوسرے لوگوں کو ان کی جگہ آباد کرنے کی پیش گوئی ہے۔ دوسرے لفظ میں دوسرے لوگوں کو اپنے عذاب سے ہلاک کر کے اور اپنے مخاطب لوگوں کو بچا کر انہیں ان ہلاک ہونے والوں کی جگہ آباد کرنے کی پیش گوئی ہے۔ تیسرے لفظ میں بھی دوسرے لفظ کا ہی مفہوم بیان ہوا ہے لیکن "ل" اور "ن" تاکیدی کے ساتھ یعنی یہ پیش گوئی بھی حتمی یقینی پکی اور ضرور ضرور پوری ہونے والی ہے وہ ضرور کافروں کے کسی گروہ کو ہلاک کر کے ایمان لانے والوں کو ان کی جگہ ان کا جانشین بنائے گا۔ اب ہم ان الفاظ کی علیحدہ علیحدہ توضیع و تشریح اور استدلال کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

ا۔ "یستخلف"

اگرچہ اس لفظ کی تشریح و توضیع حضرت ھود کے بیان میں ہو چکی ہے لیکن یہاں

اس عنوان کے تحت علیحدہ طور پر بھی آیت قرآنی سے مزید ثبوت کے لئے ایک بہت ہی واضح قرآنی آیت کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور وہ ہے "وربک الغنی ذوالرحمۃ ان یشاء یذھبکم ویستخلف من بعد کم مایشاء کما انشاء کم من ذریۃ قوم اخرین"۔ الانعام ۔۱۳۳۔ "اور تمہارا پروردگار بے نیاز اور صاحب رحمت ہے اگر وہ چاہے تو تم کو لیجائے ۔(تمہیں ہلاک کردے) اور تمہارے بعد جن کو چاہے تمہاری جگہ آباد کر دے اور تمہارا جانشین بنا دے جیسا کہ دوسرے لوگوں کی اولاد سے تم کو پیدا کر دیا"۔

"یستخلف" کے معنی کی وضاحت کے لئے یہ آیت اتنی صاف اور واضح ہے کہ اس سے زیادہ کی گنجائش ہی نہیں ہے "ان یشاء یذ ھبکم" اپنے مخاطب زندہ لوگوں سے خطاب ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں یہاں سے اس دنیا سے لے جائے طبعی موت کے ذریعہ لیجائے یا عذاب کے ذریعہ موت دیکر وہ جس طرح چاہئے تمہیں لے جا سکتا ہے "ویستخلف من بعد کم مایشاء" اور تمہارے لیجانے کے بعد تمہاری جگہ جنہیں چاہے آباد کرے اور تمہارا جانشین بنائے۔ اب یہ ان کی جگہ کیسے آباد کرے گا اور کس طرح سے جانشین بنائے گا واضح دوٹوک اور واشگاف الفاظ میں کہتا ہے "کما انشاء کم من ذریۃ قوم آخرین" اسی طرح سے جس طرح سے تم کو دوسرے لوگوں کی نسل ذریت اور اولاد سے پیدا کرکے تمہیں ان کی جگہ آباد کیا ہے اور تمہیں ان کا جانشین بنایا ہے۔ اس سے بڑھ کر وضاحت اس بات کی نہیں ہوسکتی کہ "یستخلف" سے مراد ہرگز ہرگز کوئی منصب یا عہدہ نہیں ہے بلکہ پہلے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کی جگہ آباد ہونا اور ان کے وارث وجانشین بننا ہے۔ پس بالفاظ واضح ثابت ہو گیا کہ مولانا مودودی اور ان کے ہم خیال تمام مفکرین اور مسلمانوں کی پہلی حکومت کے طرفداروں کو اس لفظ کو بنیاد بنا کر یہ کہنا قطعی غلط اور باطل ہے کہ "ہر وہ قوم جسے زمین میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے"۔ خلافت و ملوکیت ۔ ص۔ ۳۴

۲۔ "یستخلفکم"

یہ لفظ حضرت موسیٰ کے قصہ میں آیا ہے ہم اس آیت کو پیش کرنے کے ساتھ

ساتھ قرآن کریم سے یہ بات بھی ثابت کریں گے کہ وہ کس طرح دوسروں کے وارث و جانشین بنے اس لئے ہم وہ آیت پیش کرنے سے پہلے جس میں یہ لفظ "یستخلفکم" آیا ہے اس سے پہلی آیات اور ان کا ترجمہ سیاق وسباق کلام کو ذہن نشین کرانے کے لئے پیش کرتے ہیں ارشاد ہوتا ہے:

"وقال الملاء من قوم فرعون اتذر موسی و قومہ لیفسدوا فی الارض ویذرک والھتک قال سنقتل ابنائھم و نستحی نسائھم وانا فوقھم قاھرون قال موسی لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ قف یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین"۔ الاعراف۔ ۱۲۷۔۱۲۸۔اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ اے فرعون کیا تو موسیٰ کو اور اسکی قوم کو زمین میں فساد پھیلانے کے لئے کھلا چھوڑ دے گا حالانکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑ چکے ہیں فرعون نے کہاکہ ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کردیں گے اوران کی بیٹیوں کو (کنیزیں بنانے کے لئے) زندہ چھوڑتے رہیں گے۔ اور یقیناً" ہم ان پر غالب رہیں گے۔ تب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو بیشک یہ زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتاہے اسکا وارث بنا دیتا ہے اور انجام تو پرہیزگاروں کا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ان آیات میں دو الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں ایک "اصبروا" یعنی تم صبر کرو اور دوسرا "یورثھا" یعنی اس زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ گویا موسیٰ پہلے لفظ کے ساتھ تو اپنی قوم کو کفار پر عذاب الٰہی کے آنے اوران کی ہلاکت کا انتظار کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں اور دوسرے لفظ کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ان کی ہلاکت کے بعد ان کے مالوں، ان کی جائیداوں، ان کے مکانوں اور ان کے باغوں اور زمینوں کے تمہیں وارث ہوں گے۔ اب وہ آیت بیان ہوتی ہے جس میں یہ لفظ "یستخلفکم" آیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔"قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا و من بعد ما جئتنا قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون"۔ الاعراف۔ ۱۲۹۔ (موسیٰ کے صبر کی تلقین کرنے اوراپنے جانشین بنائے جانے کی پیش گوئی سنکر بنی اسرائیل نے) کہا (اے موسیٰ) ہم نے تو تمہارے آنے سے پہلے بھی تکلیف اٹھائی اور تمہارے آنے کے بعد بھی (موسیٰ نے) کہا قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گااور تم کو زمین میں

ان کا وارث اور جانشین بنا دے گا اور پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اس آیت پر کسی زیادہ تبصرہ اور تشریح کی ضرورت نہیں ہے صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کا پیانہ صبر لبریز ہو چکا تھا وہ موسیٰ کے آنے سے پہلے بھی ظلم و جود کی چکی میں پس رہے تھے اور ان کے آنے کے بعد بھی اسی طرح سے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے۔ لہٰذا بنی اسرائیل کا پیانہ صبر چھلک اٹھا اورانہوں نے موسیٰ سے عرض کی کہ اے موسیٰ تمہارے آنے سے پہلے تو ہم پر مصیبت نازل ہو رہی تھی اب تمہارے آنے کے بعد ہم پراور بھی زیادہ مصیبت نازل ہونی شروع ہو گئی ہے لہٰذا موسیٰ نے ان کو تسلی دی کہ فکر نہ کرو خدا عنقریب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گااور تم کو ان کا جانشین اوران کا وارث بنادے گا۔ مولانا مودودی اسی آیت کو پیش کر کے اسکا ترجمہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ پیش کرتے ہیں کہ "ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے" خلافت و ملوکیت۔ ۳۴۔ حالانکہ یہاں خدا کا خلیفہ ہونے کی کوئی بات ہی نہیں ہے یہ تو فرعون اور اسکی قوم کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کے ان کے مالوں، زمینوں، مکانوں اور باغوں کا وارث ہونے کی پیش گوئی ہے۔ لیکن مولانا مودودی کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ پہلے فرعون اور اسکی قوم خدا کی خلیفہ تھی اور ان کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کی قوم خداکی خلیفہ ہو گئی دوسرے الفاظ میں یہ بات یوں ہے کہ جب فرعون اور اسکی قوم برسراقتدار تھی تو اس وقت موسیٰ اور ان کی قوم برسراقتدار نہ تھی لہٰذا فرعون اور اسکی قوم خدا کی خلیفہ تھی لیکن موسیٰ اور ان کی قوم خدا کی خلیفہ نہ تھی زیادہ مختصر اور واضح الفاظ میں فرعون خدا کا خلیفہ تھا لیکن موسیٰ خدا کے خلیفہ نہیں تھے کیونکہ وہ برسراقتدار نہیں تھے پہلے سے کئے ہوئے فیصلہ پر اور پہلے سے اپنائے ہوئے عقیدہ پر جب قرآنی آیات کو چپکا کر مطلب نکالا جائے گا تو ایسا ہی مطلب نکلے گا۔ آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ خدانے بنی اسرائیل کو کس کا خلیفہ اور وارث بنایا اور کس چیز میں خلیفہ اور وارث بنایا تاکہ قارئین پر یہ بات واضح و روشن ہو سکے کہ یہاں موسیٰ بنی اسرائیل کو ان کے دشمن کے مال و اسباب میں جانشین بنانے کی خبر دے رہے ہیں نہ کہ خدا کا خلیفہ بن جانے کی بشارت، ارشاد ہوتا ہے۔ "ثم بعثنامن بعدھم موسی بایتنا الی فرعون وملائہ فظلموبھا فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین" ۔

الاعراف ۔ ۱۰۳ ۔ "پھر ہم نے (مذکورہ رسولوں کے بعد) موسیٰ کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس معجزات دے کر بھیجا توان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا پس ذرا غور کرو کہ آخر فساد کرنیوالوں کا انجام کیا ہوا۔ سورہ الاعراف کی اس آیت سے پہلے آیت نمبر ۵۹ سے لے کر آیت ۹۳ تک پوری ۳۵ آیات میں سابقہ رسولوں کے واقعات اوران کی قوموں کا انجام بیان ہوا ہے جن میں سب سے پہلے حضرت نوح کا واقعہ ہے اور آخری آیت ۹۳ میں حضرت شعیب کی قوم کا انجام بیان ہوا ہے یعنی سورہ الاعراف کی ان آیات میں حضرت نوح کا آنا ان کا اپنی قوم کو ڈرانا اور ان کی ساری قوم کے کافروں کا طوفان میں غرق ہو جانا پھر حضرت ھود کا آنا ان کا اپنی قوم کو ڈرانا اور پھران کی ساری قوم کے کافروں کا عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جانا پھر حضرت صالح کا آنا ان کا اپنی قوم کو ڈرانااور ان کی قوم کے تمام کافروں کا عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جانا پھر حضرت لوط کا تذکرہ اوران کی قوم کے تمام کافروں کا ہلاک ہوجانا۔ اور سب سے آخر میں حضرت شعیب کا واقعہ اور ان کی قوم کے تمام کافروں کا ہلاک ہونا بیان ہوا ہے۔ ان سب عذابوں میں تمام کافر ہلاک ہوتے رہے اور صرف ان رسولوں پرایمان لانے والے زندہ سلامت بچتے اور ان کی جگہ لیتے رہے اور وہ ان ہلاک ہونے والے کافروں کی زمینوں' مکانوں اور مالوں کے وارث اور مالک بنتے رہے اور ان کے "خلائف" اور "خلفاء" یعنی جانشین کہلاتے رہے۔ لیکن عذاب الٰہی کے آنے سے پہلے بھی اور عذاب الٰہی کے آنے کے بعد بھی خدائی اقتدار کے نمائندے اور خدا کی طرف سے واجب الاطاعت ہادی تو وہ رسول ہی ہوتے تھے ان کی قوم کے ہلاک ہونے والوں کے خلائف اور خلفاء بننے سے خدائی اقتدار کی نمائندگی ان کی طرف منتقل نہیں ہوتی تھی واجب الاطاعت وہ رسول ہی ہوتا تھا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ"

"ہر رسول کی اللہ کے حکم سے اطلاعت فرض اور واجب ہے چاہے اقتدار ظاہری اس رسول کے پاس ہو یا نہ ہو خدائی اقتدار کا حقیقی نمائندہ وہی ہوتا تھا اور وہی رہتا تھا۔ یعنی نوح کی قوم پر عذاب آنے سے پہلے بھی نوح ہی خدائی اقتدار کے نمائندہ تھے اور بعد میں بھی قوم عاد کے ہلاک ہونے سے پہلے بھی ھود ہی خدائی اقتدار کے نمائندہ تھے اور بعد میں بھی قوم ثمود کے ہلاک ہونے سے پہلے بھی حضرت صالح

ہی خدائی اقتدار کے نمائندہ تھے اور بعد میں بھی ' فرعون اور اسکی قوم کے غرق ہونے سے پہلے بھی موسیٰ ہی خدائی اقتدار کے نمائندہ تھے اور بعد میں بھی پس موسیٰ کا اپنی قوم سے "لیستخلفکم" کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم خدائی اقتدار کے نمائندہ بن جاؤ گے یا تم خدا کے خلیفہ ہو جاؤ گے بلکہ موسیٰ کے "لیستخلفکم" کہنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ تم اپنے دشمن کی ہلاکت کے بعد انکی زمینوں ' مکانوں اور مالوں کے مالک و وارث ہو جاؤ گے وانحالیکہ خدا کی طرف سے واجب الاطاعت اور خدائی اقتدار کا نمائندہ وہی ہو گا جو اب ہے۔ بہرحال وہ شعیب جن کا سب سے آخر میں ذکر آیا ہے وہی شعیب ہیں جو مدین میں رہتے تھے اور حضرت موسیٰ اعلان نبوت سے پہلے جب مصر سے نکل کر مدین پہنچے تھے تو انہیں کے پاس جا کر ٹھہرے تھے۔ لہٰذا اب خدا حضرت موسیٰ سے پہلے کے ان تمام پیغمبروں کا ذکر کرنے اور اپنے اپنے وقت پر ان قوموں کے تمام کافروں کو عذاب سے ہلاک کر کے ایمان لانے والوں کو انکے مالوں اور زمینوں کا وارث بنانے کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت موسیٰ کا تذکرہ کر رہا ہے کہ ان مذکورہ رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے بھی ظلم کا راستہ اختیار کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی خدا ہمیں غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے کہ اب تم دیکھو کہ انکا انجام کیا ہوا۔

"فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین"

"اب تم غور کرو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا"۔ اور فرعون اور اسکی قوم کا جو انجام ہوا اسے قرآن نے اسطرح سے بیان کیا ہے کہ۔ جب فرعون اور اور اسکی قوم کا تکبر ' انکا غرور اور انکا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو اس وقت حضرت موسیٰ نے یہ دعا کی

"فدعا ربہ ان ھولاء قوم مجرمون"

"تب (موسیٰ نے) اپنے رب سے دعا کی بار الٰہی یہ تو سب کے سب مجرموں کی قوم ہے ان کا بیڑا غرق کر دے"۔ اس پر خداوند تعالیٰ نے حکم دیا۔

"فاسر بعبادی لیلا انکم متبعون ' واترک البحر رھوا انھم جند مغرقون کم ترکوا من جنت و عیون و زروع و مقام کریم و نعمۃ کانوا فیھا فاکھین کذالک قف و اورثنھا قوم اخرین"

دخان۔ ۲۳ تا ۲۸

"اے موسیٰ اب تم میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو ساتھ لیکر راتوں رات (مصر سے) چلے جاؤ (اور دیکھو یہ بات یاد رکھو کہ) تمہارا پیچھا ضرور کیا جائے گا لہٰذا تم دریا کو اپنی حالت میں ٹھرا ہوا چھوڑ کر پار ہو جانا (تمہارے دریا سے نکلنے سے پہلے انکا سارے کا سارے لشکر دریائے نیل میں داخل ہو جائے گا جس وقت وہ سارے کا سارا داخل ہو جائے گا تو اس وقت) اس لشکر کو ڈوبا دیا جائے گا۔ (چنانچہ جو فیصلہ ہو چکا تھا وہ ہو کر رہا اب تم دیکھو کہ) وہ لوگ کتنے کتنے باغ اور کتنے کتنے چشمے اور کتنی کتنی کھتیاں اور کیسے کیسے نفیس مکانات اور آرام و آسائش کی وہ چیزیں جن میں وہ عیش و آرام سے زندگی بسر کیا کرتے تھے چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ (اب تم یہ بات ذہن نشین کر لو کہ ہمیشہ سے) ایسا ہی (ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا یہ ہمارا قانون ہے یہ ہماری سنت ہے کہ آخر کار ہم کافروں کو ظلم کرنے والے جابروں کو ہلاک کر کے ان کی بجائے ایمان لانے والوں کو ان کا وارث بنا دیا کرتے ہیں چنانچہ قوم فرعون کے بعد بھی ہم نے ایسا ہی کیا اور ان تمام چیزوں کا جو فرعون اور اسکی قوم نے چھوڑا تھا) دوسروں (بنی اسرائیل) کو انکا وارث بنا دیا۔ ان آیات میں آیت ۲۷ کے بعد "قف" یعنی "وقفہ" سے پہلے ایک لفظ "کذالک" (یعنی اسی طرح) کتنا پر معنی ہے کتنا شاندار ہے اور کتنا فصیح و بلیغ ہے اس ایک لفظ میں قدرت نے سنت الیہ اور اپنی عادت جاریہ کو سمو دیا ہے اور قانون خدا وندی کو پورے طور پر بیان کر دیا ہے۔ "کذالک" سے پہلے ہلاک ہونے والے تمام کافروں کا ذکر اور انکی تمام چھوڑی ہوئی چیزوں کا بیان اور "کذالک" کے بعد "قف" کے ذریعہ توقف کا حکم اور پھر وارث ہونے والی قوم کا تذکرہ اور درمیان میں "کذالک" جو حرف تشبیہ ہے لیکن یہ اکیلا لفظ یہ تنہا لفظ پورے قانون کی جان ہے اور دستور خدا وندی اور سنت الیہ کا نشان ہے جسکا معنی ہے "اسی طرح" اور اسکا جواب ہوتا ہے "جس طرح" یعنی جس طرح ہم نے یہ کام کیا ہے اسی طرح سے ہم یہ کام کرتے چلے آ رہے ہیں اور اسی طرح سے ہم یہ کام کرتے چلے جائیں گے گویا سورہ اعراف کی آیت ۸۹ سے آیت ۹۳ تک جو بات تفصیلی طور پر بیان کی تھی وہ صرف ایک تنہا اور اکیلے لفظ میں مجمل طور پر قانون قدرت کی حیثیت سے بیان کر دی ہے اور یہی حضرت موسیٰ کا اپنی قوم سے

وعدہ تھا اور اس کی ہی پیش گوئی کی گئی تھی جیسا کہ قرآن فرماتا ہے۔

"قال عسی ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض

فینظر کیف تعملون"

الاعراف۔ ۱۲۹

"موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا۔ عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تم کو زمین میں انکا جانشین (اور وارث) بنادے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو"۔ اس سے ثابت ہوا کہ "یستخلفکم" کا مطلب کافروں کو ہلاک کر کے ایمان لانے والوں کو زمین میں انکی جگہ آباد کرنا انکا جانشین بنانا انکے مالوں کا مالک بنانا ہے جو خدائی اقتدار کے نمائندے یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب الٰہی سے محفوظ و ماموں رہے تھے۔ لہٰذا یہ ایمان لانے والے ان ہلاک ہونے والے کافروں کی جگہ آباد ہوئے تھے اور ان کے جانشین اور وارث بنے تھے نہ کہ خدا کے خلیفہ بن گئے تھے کیونکہ خدا کی قانونی حکومت اور اقتدار اعلیٰ کے نمائندے تو فرعون اور اسکی قوم اور لشکروں کے غرق ہونے سے پہلے بھی حضرت موسیٰ ہی تھے اور فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے کے بعد بھی موسیٰ ہی تھے۔ "لیستخلفکم" کے صحیح معنی سمجھنے کے لئے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ حضرت موسیٰ نے کہا تھا "لیستخلفکم" لیکن خدا نے اسکی تفسیر میں سورہ دخان کی آیت ۲۸ میں فرمایا "اورثنٰھا" اور پھر سورہ بنی اسرائیل میں ان دونوں الفاظ کی مزید تشریح میں فرمایا "اسکنوا" آباد ہو جاؤ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"فاراد ان یستفزھم من الارض فاغرقنٰہ و من معہ جمیعا و

قلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض"

بنی اسرائیل ۱۰۳۔۱۰۴۔

"فرعون نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ تم کو سرزمین مصر سے پریشان کر کے نکال دے پس ہم نے اسی کو اور جو اس کے ساتھ تھے ان سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم اس زمین میں (جہاں سے فرعون نے تم کو نکالنا چاہا تھا) آباد ہو جاؤ "اسکنوا" سکونت اختیار کرلو۔ ساکن ہو جاؤ بس جاؤ۔ اب ہم اس لفظ کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کے ذریعہ پیغمبرؐ نے ایمان لانے والوں کو کافروں کا وارث

بنانے کافروں کی زمین میں آباد کرنے اور انکا جانشین بنانے کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ اور انہیں انکے مالوں کا مالک بنانے کا وعدہ کیا تھا۔

لیستخلفنھم

یہ لفظ سورہ نور کی آیت ۵۵ میں آیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

"وعد اللہ الذین منو امنکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم"

نور ۔۵۵

"تم میں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل انجام دیئے ہیں اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں دوسروں کی جگہ اسی طرح سے آباد کرے گا اور دوسروں کا اسی طرح سے جانشین اور وارث بنا دے گا جس طرح سے ان لوگوں کو وارث اور جانشین بنایا تھا جو ان سے پہلے گزرے ہیں"۔

یہ آیت وہ معرکۃ الاراء آیت ہے جس کے مفہوم کو ہر کسی نے اپنے مطلب اور اپنے اپنے فکر و نظر کے مطابق ڈھالنے اور اپنے نظریہ اور عقیدہ پر چپکانے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اپنی نبوت کے ثبوت میں جو دلائل دیئے ہیں ان میں سے ایک یہ وعدہ استخلاف کی آیت بھی ہے جس کو انہوں نے بڑے زور دار طریقہ سے اپنے حق میں دلیل بنایا ہے۔ اور اپنی کتاب "شہادت القرآن" میں اس کو اپنی نبوت کی دلیل قرار دیا ہے اس کے علاوہ دوسرے مسلمان مفکرین نے بھی جنہوں نے خلافت کو ایک منصب سمجھ لیا ہے اس آیت کو دلیل بنا کر یہ مطلب نکالا ہے اور یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ خلافت پر کسی خاص شخص خاندان یا طبقہ کا اجارہ نہیں ہے بلکہ یہ عامتہ المسلمین کا حق ہے۔ اور آجکل ہمارے بچوں کو سکولوں ۔ کالجوں اور اعلی تعلیمی اداروں میں اسی نظریہ کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ اگرچہ مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے صفحہ ۳۴ پر شاید یہ دکھانے کے لئے کہ اسلام بھی جمہوریت کا قائل ہے۔ بلا امتیاز ہر کافر و مشرک صاحب اقتدار کو خدا کا خلیفہ کہا تھا لیکن پھر صفحہ ۳۰ پر اس آیت کے ذیل میں جائز و ناجائز

قید لگا کر انہوں نے اسے کل عامتہ المسلمین کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں "اجتماعی خلافت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ "اس فقرے کی رو سے اہل ایمان کی جماعت کا ہر فرد خلافت میں برابر کا حصہ دار ہے کسی خاص شخص یا طبقہ کو تمام مومنین کے اختیارات خلافت سلب کر کے انہیں اپنے اندر مرکوز کر لینے کا حق نہیں ہے اور نہ کوئی شخص یا طبقہ اپنے حق میں خدا کی خصوصی خلافت کا دعوی کر سکتا ہے"۔ خلافت و ملوکیت۔ ص ۳۵-۳۶۔ شاید مولانا مودودی صاحب کی کسی خاص شخص سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں۔ اور خاص طبقہ سے مراد خاندان رسالت ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی صرف وہی اس کے مدعی ہیں گویا یہ اسی تحریک کی صدائے بازگشت ہے کہ نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہیں جانی چاہیے۔ لیکن ایک باانصاف مطالعہ کرنے والا اگر عمیق نظر سے اس آیت میں غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ نہ تو خلافت کوئی منصب ہے اور نہ ہی اس میں کسی ایسے عہدہ کی بات ہے جس میں ہر برسراقتدار قوم یا اہل ایمان کی جماعت کا ہر فرد برابر کا حصہ دار بنے۔ آیئے اس آیت کے مطلب میں غیر جانبدارانہ طور پر غور کرتے ہیں۔ سیاق و سباق کلام میں اس آیت سے پہلے آیت ۴۷ سے آیت ۵۰ تک واضح طور پر منافقین کے بارے میں گفتگو ہے ارشاد ہو رہا ہے۔

"و یقولون امنا باللہ و بالرسول و اطعنا ثم یتولی فریق منھم من بعد ذالک و ما اولٰئک بالمومنین"

النور۔ ۴۷۔

"اور (منافقین) یہ کہتے ہیں کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ان کے مطیع ہیں پھر اس کے بعد انہیں میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے یہ لوگ دراصل ایمان ہی نہیں لائے۔ اس کے بعد آیت ۴۸ سے آیت ۵۰ تک دو مسلمانوں کے درمیان ایک جھگڑے کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے ایک مومن تھا اور دوسرا منافق مومن نے اپنا جھگڑا یا مقدمہ پیغمبر اکرم سے فیصلہ کرانے کی پیش کش کی لیکن منافق اس بات پر تیار نہ ہوا۔ اور پیغمبر پر طرفداری کرنے کا الزام لگایا ان آیات کا متن حسب ذیل ہے۔

"و اذا دعوا الی اللہ و رسولہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم

معرضون و ان یکن لھم الحق یا تو الیہ مذعنین افی قلوبھم
مرض ام ارتابوا ام یخافون ان یحیف اللہ علیھم و رسولہ بل
اولئک ھم الظلمون"

النور۔ ۴۸ تا ۵۰

"اور جب وہ اللہ کے اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے ایک فریق (رسول سے فیصلہ کرانے سے) روگردان ہو جاتا ہے اگر ان کا کوئی حق ہوتا تو پھر تو وہ فرمانبرداری کرتے ہوئے رسول کے پاس آ جاتے کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اسکا رسول ان پر کوئی ظلم کرے گا (یہ کچھ نہیں ہے) بلکہ حقیقت میں یہ ہیں ہی نافرمان"۔ آیت ۴۸ سے آیت ۵۰ تک منافقین کا طرز عمل بیان کر کے آیت ۵۱ میں انکے مقابلہ میں مومنین کی حالت بیان ہوئی ہے کہ "مومنین کا قول تو یہ ہوتا ہے کہ جب بھی انہیں خدا اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلایا جائے کہ رسول انکے مابین فیصلہ کریں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور وہی فلاح پانے والے ہیں"۔ اور پھر آیت ۵۲ میں ایک کلیہ کے طور پر فرمایا۔ "جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور خدا سے ڈرے گا اور اسکی مخالفت سے بچتا رہے گا ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں"۔ النور۔ ۵۲۔ منافقین کی حالت، منافقین کا طرز عمل ۔ منافقین کے مقابلہ میں حقیقتاً" ایمان لانے والوں کی حالت اور ایک اصل کلی کا بیان کرنے کے بعد پھر منافقین کے قول کو رد کرتے ہوئے آیت ۵۳ میں فرمایا ہے۔

"و اقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن امرتھم لیخرجن قل لا
تقسموا طاعۃ معروفۃ ان اللہ خبیر بما تعملون"

النور۔ ۵۳

"وہ بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر اب انہیں جنگ کے لئے نکلنے کا حکم دیں تو وہ ضرور ضرور جنگ کے لئے میدان میں نکل کھڑے ہوں گے۔ تم کہہ دو کہ قسمیں نہ کھاؤ حقیقی اطاعت کی ضرورت ہے (خالی خولی قسموں کی نہیں) بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اسکی خبر ہے"۔ پھر آیت ۵۴ میں اپنے پیغمبر سے واضح طور پر یہ اعلان

کرایا کہ۔

"قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ماحمل و علیکم ماحملتم و ان تطیعوہ تھتدوا و ما علی الرسول الا البلاغ المبین"

النور۔ ۵۴

"اے رسول ان سے کہہ دو کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم روگردان ہوتے ہو تو سوائے اس کے نہیں کہ رسول کے ذمہ تو اسی کی جوابدہی ہے جس پر وہ مامور کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ اس کی جوابدہی ہے جس پر تم مامور کئے گئے ہو اور اگر تم اسکی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو سوائے واضح طور پر احکام پہنچا دینے کے اور کچھ نہیں ہے آیت ۴۷ سے آیت ۵۴ تک منافقین کی حالت منافقین کا طرز عمل انکی روگردانی اور ان کے دل کی بیماری ان کے رسول کے بارے میں شک اور رسول اللہ سے بدظنی کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور آیت ۵۴ میں اپنے رسول سے مکرر طور پر اطاعت کا حکم دلا کر یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کی اطاعت کا فائدہ تمہیں ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم ہدایت پا جاؤ گے۔ اب وہ معرکتہ الاراء آیت آتی ہے جسکا پہلا فقرہ یہ ہے کہ

"وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت"

النور۔ ۵۵

"تم میں سے جو کوئی بھی حقیقتاً ایمان لائے گا اور عمل صالح بجا لائے گا۔" یا تم میں جو کوئی بھی حقیقتاً ایمان رکھتا ہے اور اعمال صالح بجا لاتا ہے"۔ آیت ۴۸ سے اب تک خطاب منافقین سے چلا آ رہا تھا جو زبان سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا دعوی تو کرتے تھے۔ لیکن عملاً" اور حقیقتاً وہ خدا و رسول سے روگردان تھے اور قرآن کے الفاظ میں "وماھم بمومنین" "وہ حقیقتاً ایمان ہی نہیں لائے تھے" اور آیت ۵۵ میں خدا ان لوگوں سے جو حقیقتاً ایمان لائے ہیں خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے

"وعداللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم"

النور۔ ۵۵

"تم میں سے جو لوگ حقیقتاً" ایمان لائے ہیں اور نیک عمل انجام دیتے ہیں اللہ کا ان سے یہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں دوسروں کی زمینوں اور مالوں کا اسی طرح سے مالک و وارث و جانشین بنا دے گا جس طرح سے ان لوگوں کو مالک و وارث بنایا تھا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔

خدا نے ایمان لانے والوں سے نہ صرف ثواب کا وعدہ کیا ہے جنت کا وعدہ کیا ہے بہشت کی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے اور آخرت کے چاہنے والوں سے آخرت کی ہر نعمت کا وعدہ کیا ہے وہاں ان ایمان لانے والوں سے جنکی نظریں دنیاوی نفع پر تھیں دنیاوی منافع کا بھی وعدہ کیا ہے وہ اہل ایمان جنکی نظریں مال دنیا پر تھیں ان کے بارے میں قرآن یوں کہتا ہے۔

"منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرۃ"

ال عمران۔ ۱۵۲

"تم میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو دنیا کے طالب ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو آخرت کے طالب ہیں۔ اس آیت میں منافقین کا ذکر نہیں ہے بلکہ حقیقتاً" ایمان لانے والوں کو آیت دو گروہوں میں تقسیم کر رہی ہے کہ ان میں سے ایک گروہ کا مقصد دنیا کا حصول ہے اور ایک گروہ آخرت کے خیال سے عمل بجا لاتا ہے دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

"ومن یرد ثواب الدنیا نوتہ منھا و من یرد ثواب الاخرۃ نوتہ منھا"

ال عمران۔

"جو دنیا کے اجر کا طالب ہو گا اسے ہم دنیا میں ہی دیں گے اور جو آخرت کے ثواب کا طالب ہو گا اسکو ہم آخرت کا ثواب عطا کریں گے۔" اس آیت میں ان ایمان لانے والوں کا بیان ہوا ہے جو دنیا کے طلبگار ہیں اور اسی لئے اللہ نے مسلمانوں کے لئے مال دنیا میں سے بہت سے مال غنیمت کا وعدہ کیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

"وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا"۔

الفتح۔ ۲۰

"اللہ نے تم سے بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ کیا ہے جسے تم لو گے"۔ یہ

وعدہ یقیناً ایمان لانے والوں سے ہے اور سورہ نور کی آیت ۵۵ میں بھی وعدہ ایمان لانے والوں سے ہی ہے اور خطاب بھی یہ ایمان لانے والوں سے ہی ہے خدا ان سے یہ کہ رہا ہے کہ تم میں سے جو لوگ حقیقتاً" ایمان لائے ہیں ہم انہیں صرف آخرت کے ثواب پر ہی نہیں رکھیں گے بلکہ مغانم کثیرۃ کے علاوہ ہم تمہیں کافروں اور اسلام کے دشمنوں کو ہلاک کر کے ان کی زمینوں ' مکانوں ' باغوں اور انکے مال و متاع کا بھی اسی طرح سے مالک و وارث بنا دیں گے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں (بنی اسرائیل) کو بنایا تھا۔

"لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم"

"بنی اسرائیل کو بھی ان کے دشمنوں کی زمینوں ' مکانوں اور مالوں کا ہی مالک و وارث بنایا تھا جیسا کہ سورہ دخان کی آیت ۲۵ تا ۲۸ میں بیان ہوا ہے۔"وہ کتنے کتنے باغ ' کتنے کتنے چشمے ' کتنی کتنی کھیتیاں کیسے کیسے نفیس مکانات اور آرام و آسائش کی وہ چیزیں جن میں وہ عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے تھے چھوڑ کر چلے گئے"۔

"واورثنٰها قوم اخرین"

دخان ـ ۲۸

"اور ہم نے ان چیزوں کا ایک دوسری قوم (بنی اسرائیل) کو وارث بنا دیا"۔

خدا کا نظام وارثت

خدا وند تعالیٰ کا نظام وراثت دو طرح سے جاری ہے ایک نظام تو وہ ہے جس میں اولاد اپنے آباؤ اجداد کی وارث بنتی ہے یہ شرعی وارثت کہلاتی ہے۔ دوسرا نظام وراثت وہ ہے جس میں وہ کافروں کو ہلاک کر کے اہل ایمان کو انکا وارث بناتا ہے۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ کہ وہ کسی کافر کو قتل کر کے اس کے مال پر قبضہ کر لے۔ اور اسکا مالک بن جائے۔ البتہ خدا کو ہر بات کا اختیار حاصل ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن وہ بھی خواہ مخواہ میں کسی کو قتل کر کے اس کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے نہیں کہتا۔ اس نے اپنے بندوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اسکی

عبادت کریں اسکی اطاعت کریں اسکا حکم مانیں اور اسکی قانونی حکومت اور اقتدار اعلی کے اپنے مقرر کردہ نمائندے یعنی رسول کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے خدا پر ایمان لے آئیں۔ لیکن جب کافی مہلت دینے کے بعد بھی اس کے بندے سرکشی سے باز نہ آئیں اس کے رسولوں کو بھی ستائیں اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کو بھی ستائیں اور تکلیفیں پہنچائیں تو خداوند تعالی کافی حد تک مہلت دیکر اور اپنے رسولوں کے ذریعہ خوب اچھی طرح اتمام حجت کر کے ان کافروں کو ہلاک کر دیا کرتا ہے اور ایمان لانے والوں کو انکا جانشین اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور کافروں کو ایمان نہ لانے کی صورت میں ہلاک کر کے ان کے مالوں کا اہل ایمان کو وارث بنانے کا کام سوائے خدا کے اور کوئی نہیں کر سکتا اور نہ ہی اور کسی کے لئے کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنا جائز ہے۔ یہ ہوتا اس طرح ہے کہ جب خدا کے رسول اتمام حجت کر لیتے ہیں اور کافی مہلت دینے کے بعد بھی کافر باز نہیں آتے نہ ایمان لاتے ہیں نہ رسولوں کو ستانے اور اہل ایمان کے لئے مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کرنے سے رکتے ہیں تو وہ فرستادہ الہٰی اور خداوند تعالی کی حکومت اور اقتدار اعلی کا اپنا مقرر کیا ہوا نمائندہ عالم اضطراب میں ان کفار کے لئے عذاب کی بد دعا کرتا ہے لہٰذا خدا ان کفار پر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیتا ہے اور اس طرح نہ صرف اہل ایمان کی مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں بلکہ وہ ان کے مالوں کے مالک اور وارث بھی بن جاتے ہیں وراثت کے حقوق خدا نے ہی مقرر کئے ہیں۔ آباؤ اجداد کے ورثے کے حقوق بھی خدا ہی نے مقرر کئے ہیں اور کافروں کو اپنے عذاب سے ہلاک کرنے کے بعد ان کے مالوں کے وارث اہل ایمان کو بنانے کا حق بھی اسی نے مقرر کیا ہے۔ خدا نے اپنے اقتدار اعلی کے نمائندے کی ایسے وقت میں دعا کو دعائے مضطر کہا ہے جو وہ اہل ایمان سے مصیبتوں کو ٹالنے کے لئے بارگاہ ایزدی میں کرتا ہے اسی چیز کو خداوند تعالی نے سورہ مومن میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء و یجعلکم خلفاء الارض ءالٰہ مع اللہ سبحان اللہ و تعالی عما یشرکون"

المومن۔ ۷

"آیا وہ کون ہے جو مضطر کی دعا کو قبول کرتا ہے؟ جب بھی وہ (کفار کو عذاب

سے ہلاک کرنے اور اہل ایمان سے مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے) دعا کرتا ہے اور (کون ہے وہ جو کافروں کو اپنے عذاب سے ہلاک کر کے انکی طرف سے دی جانے والی) تکلیفوں اور مصیبتوں سے (اہل ایمان کو) نجات دیتا ہے؟ اور تم کو (ان کافروں کے مالوں اور زمینوں میں) انکا جانشین اور وارث بنا دیتا ہے کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خدا ہے؟ (یہ کام تو صرف اللہ ہی کا ہے نہ کوئی مضطر کی دعا کو قبول کر سکتا ہے۔ نہ کوئی اللہ کے سوا کافروں پر عذاب نازل کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی کافروں کے مالوں اور زمینوں میں اہل ایمان کو انکا جانشین اور وارث بنا سکتا ہے اللہ کے نزدیک ایسا سوچنا یا ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے) اور اللہ کی ذات ان کے اس شرک سے پاک، برتر اور بالاتر ہے۔"

پیغمبر اکرم سے پہلے خدا کا وعدہ استخلاف کیسے پورا ہوا

پیغمبر اکرمؐ کے ذریعہ خدا کے اس وعدہ استخلاف کا صحیح مفہوم جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اس وعدہ استخلاف سے پہلے اور کس نے وعدہ استخلاف کیا تھا؟ اور کس سے کیا تھا؟ اور وہ کس طرح سے پورا ہوا تھا کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کے ذریعہ خدا کے اس وعدہ استخلاف میں واضح طور پر یہ کیا گیا ہے کہ

"لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم"

النور۔ ۵۵

"انہیں ضرور ضرور اسی طرح سے زمین میں جانشین اور وارث بنائے گا جس طرح سے ان لوگوں کو وارث اور جانشین بنایا تھا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں"۔ لفظ "کما" حرف تشبیہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو جانشین و وارث بنایا تھا اسی طرح سے انہیں بھی جانشین بنایا جائے گا۔ جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ سے پہلے یہی وعدہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے کیا تھا اور وہ اس طرح سے ہے۔

"قال عسٰی ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون"

(حضرت موسیٰ نے) کہا۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو ان کا جانشین (اور انکی جگہ انکی زمینوں ' مکانوں ' مالوں کا مالک و وارث بنا دے) اور پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اس سے پہلے اس کتاب کا عنوان لیستخلفکم ہی تھا جس میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ خداوندتعالی نے بنی اسرائیل کے دشمنوں کو کس طرح سے ہلاک کیا اور ان کو ان کے باغات ان کے چشموں انکی زمینوں اور ان کے مکانات کا کس طرح سے مالک و وارث و جانشین بنایا جبکہ خدا کے اقتدار اعلی کے حقیقی نمائندے فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے سے پہلے بھی حضرت موسیٰ ہی تھے اور ان کے غرق ہونے اور ان کے مالوں میں بنی اسرائیل کے مالک و وارث و جانشین بن جانے کے بعد بھی خدا کی حکومت اور اقتدار اعلی کے حقیقی نمائندے حضرت موسیٰ ہی تھے لہٰذا یہ بنی اسرائیل کو خدا کا خلیفہ بنانے کی بات نہیں تھی ۔ موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا تھا "لیستخلفکم" خدا تمہیں انکا جانشین اور مالک و وارث بنا دے گا۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے یہ فرمایا تھا کہ "لیستخلفنھم" خدا ایمان لانے والوں کو ضرور ضرور کافروں اور اسلام کے دشمنوں کا جانشین اور انکی زمینوں اور مکانوں کا مالک و وارث بنا دے گا ۔ یعنی موسیٰ نے بھی بنی اسرائیل کو انکے دشمن کی زمینوں اور مکانوں کا مالک و وارث بنانے کا وعدہ کیا تھا ۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے بھی اہل ایمان سے کافروں کی زمینوں اور مکانوں کا ہی وارث بنانے کا وعدہ کیا تھا ۔ نہ تو موسیٰ نے بنی اسرائیل کو خدا کا خلیفہ بنائے جانے کا وعدہ کیا تھا اور نہ ہی پیغمبر اکرمؐ نے ایمان لانے والوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ انہیں خدا کا خلیفہ بنا دیا جائے گا۔ یا کسی ایسے منصب اور عہدہ پر جس کا نام خلافت ہے انہیں فائز کر دیا جائے گا جہاں تک خدا کے اقتدار اعلی کا تعلق ہے تو جس طرح موسیٰ ہی خدا کے اقتدار اعلی کے نمائندہ تھے پہلے بھی اور بعد میں بھی اسی طرح خدائی اقتدار اعلی کے نمائندے تو پیغمبر اکرمؐ ہی تھے وعدہ استخلاف کے پورا ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی جو پیغمبر اکرم کے سامنے ہی پورا ہو گیا جس کا بیان آگے آتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کا وعدہ استخلاف کیسے پورا ہوا

بنی اسرائیل کا استخلاف فی الارض جس طرح ہوا تھا اسکو ہم سابقہ عنوان میں

تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں بنی اسرائیل کے اس استخلاف فی الارض کے لئے خدا نے جو دوسرے الفاظ استعمال کئے تھے وہ یہ تھے کہ

"و اورثنٰھا قوم اخرین"

دخان۔ ۲۸

"یعنی ہم نے فرعون اور اسکی قوم کی زمینوں ' مکانوں باغوں اور چشموں وغیرہ کا دوسری قوم یعنی بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔ پس جس طرح بنی اسرائیل کو کافروں کی ہلاکت کے بعد انکی زمینوں ' مکانوں اور مالوں کا وارث بنا کر قدرت نے ان سے کئے ہوئے وعدہ استخلاف کو پورا کیا تھا۔ اسی طرح پیغمبر پر ایمان لانے والوں کو بھی خدا نے کافروں کو ہلاک کر کے انکی زمینوں ' مکانوں اور مالوں کا وارث بنا کر اس وعدہ استخلاف کو پورا کیا ہے اور اسکا سورہ احزاب آیت ۲۵ تا ۲۷ میں مفصل طور پر اس طرح بیان ہوا ہے۔

"و رد الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیرا" و کفی اللہ المومنین القتال و کان اللہ قوی عزیزا و انزل الذین ظاھروھم من اہل الکتٰب من صیاصیھم و قذف فی قلوبھم الرعب فریقا تقتلون و تاسرون فریقا و اورثکم ارضھم و دیارھم و اموالھم و ارضا لم تطئوھا و کان اللہ علی کل شی قدیرا"۔

احزاب۔ ۲۵ تا ۲۷

"اور اللہ نے "جنگ خندق میں" تمام کافروں کو ان کے غصے کی حالت میں لوٹا دیا کہ وہ کسی مراد کو نہ پہنچے اور اللہ نے مومنوں کو لڑائی کی نوبت ہی نہ آنے دی اور اللہ صاحب قوت اور غلبہ والا ہے۔ اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے انکی مدد کی تھی انکو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور انکے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ تم ایک گروہ کو تو قتل کر رہے تھے اور ایک گروہ کو قیدی بنا رہے تھے اور تم کو انکی زمینوں کا اور ان کے مکانوں کا اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیا اور ایسی ایسی زمینوں کا تمہیں وارث بنایا جس پر تمہارے کبھی قدم بھی نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ وہ مومن ہی ہو کسی کافر کو خود سے قتل کر

کے اس کے مال کا مالک اور وارث نہیں بن سکتا۔ البتہ جب خدا کا حکم آ جائے اور اسکی حکومت کے اقتدار اعلی کے نمائندے یعنی پیغمبر کے حکم سے کفار کو قتل کر کے یا کسی اور عذاب کے ذریعہ کافروں کو ہلاک کر کے ایمان لانے والوں کو انکی زمینوں مکانوں اور مالوں کا مالک و وارث اور جانشین بنا دیا جائے۔ تو یہ ایک جائز وارثت اور جانشینی ہو گی اور اسی کا خدا نے اپنے حبیب کے ذریعہ ایمان لانے والوں سے وعدہ کیا تھا۔

مدینہ منورہ وہ مقام تھا جو اپنی زرخیزی کے لحاظ سے تمام علاقوں کی نسبت سب سے زیادہ ممتاز تھا اس کو قدیم الایام میں اہل کتاب یعنی یہود نے یثرب کے نام سے آباد کیا تھا وہی اس کے آباد گار تھے اور مدینہ اور اس کے گردونواح کی تمام زرخیز زمینوں کے وہی مالک تھے۔ یہود بنی نضیر کی بستیاں' یہود بنی قریضہ کی بستیاں' یہود بنی قینقاع کی بستیاں اور یہودیاں خیبر کی بستیاں اور انکا زرخیز و سرسبز شاداب علاقہ انہیں یہودیوں کی ملکیت تھا وہی ان کے مالک تھے اور وہی ان کے کاشتکار تھے۔ اس لئے یہاں کی اقتصادیات پر مکمل طور پر یہودیوں کا کنٹرول تھا انکی جنگی قلعہ بندیاں تھیں اور سود کے کاروبار میں وہ اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ انہوں نے انسانوں تک کی رہن بیع کی معاملت جاری کی ہوئی تھی۔ ان یہودیوں کا ایمان نہ لانا اور اظہار عداوت اور شرارتیں کرتے رہنا اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت پر کمربستہ رہنا علم الٰہی میں معلوم ہو چکا تھا لہٰذا قدرت کی طرف سے ان میں سے بعض کی جلا وطنی اور بعض کا عذاب قتل کے ذریعہ ہلاک کیا جانا مقدر ہو چکا تھا جس کو خدا وند تعالی نے سورہ حشر رکوع ۱ اور سورہ احزاب رکوع ۳ میں مفصل طور پر بیان کیا ہے۔ چونکہ یہودیوں کے لئے جلا وطنی یا ہلاکت کا عذاب اس طرح مقدر ہو چکا تھا جس طرح فرعون اور اسکی قوم کے لئے غرق کے ذریعہ ہلاکت کا عذاب مقدر ہوا تھا۔ لہٰذا جس طرح خدا نے موسیٰ کے ذریعہ بنی اسرائیل سے انکے دشمن کی ہلاکت کے بعد انکی زمینوں کا مالک کل بنا دینے کا وعدہ کیا تھا جو یہ تھا کہ

"عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض"

"قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین میں انکا جانشین اور وارث بنا دے گا۔ اسی طرح یہاں بھی خدا وند تعالی نے

مثیل موسیٰ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ذریعہ ایمان لانے والوں سے انکے دشمن یعنی یہودیوں کی جلا وطنی اور ہلاکت کے بعد انکی زمینوں، مکانوں اور مالوں کا مالک و وارث بنا دینے کا وعدہ فرمایا تھا جو پورا ہوگیا اور ایمان لانے والوں میں انکی زمینیں مکانات اور تمام مال و اسباب تقسیم کر کے انکو انکا مالک و وارث اور انکا جانشین بنا دیا گیا۔ چنانچہ جس طرح بنی اسرائیل کے استخلاف کے وعدہ کے پورا ہونے پر قدرت نے یہ کہا تھا کہ:

"واورثنٰھا قوم اخرین"

دخان۔ ۲۸

"یعنی ان تمام چیزوں کا جو فرعون اور اسکی قوم نے چھوڑا تھا) دوسروں (یعنی بنی اسرائیل) کو انکا وارث بنا دیا۔ اسی طرح پیغمبر اکرم کے استخلاف کے وعدہ کے پورا ہونے پر بھی قدرت نے وہی الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ:

"و اورثکم ارضھم و دیارھم و اموالھم وارضا لم تطئوھا"

الاحزاب۔ ۲۷

"یعنی اللہ نے تم کو ان (یہودیوں) کی زمینوں، مکانوں اور انکے مالوں کا وارث بنا دیا اور ایسی زمینوں کا تم کو وارث بنایا جس پر تمہارے کبھی قدم بھی نہیں پہنچے تھے"

اس واقعہ کا مختصر حال اس طور پر ہے کہ۔ جنگ خندق میں جسے جنگ احزاب بھی کہتے ہیں تمام قبائل کفر جمع ہو کر اسلام کو مٹانے کے لئے حملہ آور ہوئے تھے جس میں یہود بنی قریظہ بھی شامل تھے۔ سورہ احزاب کی آیت ۲۵ میں غزوہ خندق کی مختصر طور پر تصویر کشی کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام کے تمام کفار غصہ کی حالت میں بے نیل و مرام واپس لوٹ گئے۔ کتنے جوش و خروش کے ساتھ کل کفر مجتمع ہو کر اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے آیا تھا لیکن حضرت علی نے کل اسلام اور کل ایمان بن کر کل کفر کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور عمرابن عبدود کے قتل ہو جانے کے بعد تمام کے تمام گروہ کفر بھاگ کھڑے ہوئے اور دوسرے مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ اس کے بعد جب یہود بنی قریظہ جو عہد شکنی کر کے جنگ احزاب میں کفار کے ساتھ شریک ہو کر لڑنے آئے تھے اپنے قلعوں میں پہنچ گئے اور رسول اللہ واپس

مدینہ تشریف لے آئے تو خدا کی طرف سے وحی کے ذریعے پیغمبر کو یہود بنی قریظہ کی بیخ کنی کا حکم ہوا لہٰذا پیغمبر نے خدا کے حکم سے قلعہ کے چاروں طرف اپنا لشکر اتار دیا اور تین دن تک قلعہ کا محاصرہ کیئے رکھا۔ اس عرصہ میں کسی نے قلعہ سے سرباہر نہ نکالا یہاں تک کہ جب محاصرہ ان پر گراں گزرا تو وہ لوگ قلعہ سے باہر نکل آئے اور سب نے پیغمبر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیئے۔ پیغمبر نے حکم دیا کہ مردوں کی مشکیں باندھ لی جائیں اور عورتیں ان سے جدا کر دی جائیں پس پیغمبر کے حکم کے مطابق وہ سب کے سب مرد جنکی تعداد سات سو تھی رسیوں میں جکڑ لئے گئے اور عورتیں ان سے علیحدہ کر دی گئیں۔ اس کے بعد انہیں کے مقرر کردہ ثالث کے فیصلہ کے مطابق۔ جو یہ تھا کہ ان کے سارے کے سارے مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے قید کر لئے جائیں اور انکا مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ تمام کے تمام یہود بنی قریظہ قتل کر دیئے گئے اور مسلمانوں میں انکی زمینوں، مکانوں اور مالوں کو تقسیم کر کے انکو انکے مالوں زمینوں اور مکانوں کا وارث و مالک و جانشین بنا دیا گیا۔ اس واقعہ کو قدرت نے سورہ احزاب کی آیہ ۲۶ و ۲۷ میں واضح الفاظ میں بیان کیا ہے جو سابقہ اوراق میں نقل ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کی ان آیات سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ خلافت نہ تو کوئی منصب ہے اور نہ ہی کوئی خدائی عہدہ لہٰذا اس پر کسی شخص یا طبقہ یا پوری قوم کے دعوے کی بات کہنا بالکل بے ہودہ فضول غلط اور باطل خیال ہے۔ اور ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ "انسان خدا کا خلیفہ" ہے حماقت کی انتہا اور اپنے پہلے سے قائم کیئے ہوئے عقیدہ اور پہلے سے کیئے ہوئے فیصلہ پر غلط طور پر قرآنی آیات کو چپکانا ہے۔ لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی کا "شہادت القرآن" میں اس آیت سے اپنی نبوت پر استدلال بھی غلط اور باطل ہے اور مولانا مودودی کا خلافت و ملوکیت میں اور ان کے ہم خیال دوسرے تمام مفکرین کا اس آیت سے خلافت بمعنی عہدہ و منصب، استدلال بھی غلط اور باطل ہے۔ اور یہی وہ زہر ہے جو آج نسل نوجوان کو اسلامی نظریہ کے نام سے سکولوں۔ کالجوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پلایا جا رہا ہے۔ بہرحال ہمارے اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ انسان خدا کا خلیفہ نہیں ہے اور نہ ہی خلافت کوئی منصب یا عہدہ ہے۔ البتہ مسلمانوں کی حکومتوں کے طرفدار اور اصطلاع کے مطابق درباری ملاں چونکہ مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کو

چودہ سو سال تک "خلیفۃ اللہ، ظل اللہ اور ظل سبحانی" وغیرہ کہتے رہے ہیں لہٰذا کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ مغرب کی جمہوریت کی یلغار کو دیکھ کر انہیں یہ شوق ہوا ہے کہ اسلام کو عین جمہوریت قرار دیں لہٰذا وہ اپنے پہلے سے قائم کردہ عقیدہ پر قرآنی آیات کو چپکاتے چلے جا رہے ہیں اور سادہ لوح عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں اور خلافت کو ایک منصب اور عہدہ قرار دیکر اپنی طرف سے اس کے اصول وضع کرتے جا رہے ہیں تاکہ اس طرح سے مسلمانوں کی سب سے پہلی قائم ہونے والی حکومت کے لئے بھی۔ جو کسی اصول کے ماتحت قائم نہیں ہوئی تھی اور وہ حضرت عمر کے قول کے مطابق فلتہ تھی اور اس تحریک کے ذریعہ چھینا چھپٹی کے ساتھ قائم ہوئی تھی کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور حکومت نہیں جانے دیں گے۔ کسی اصول کا ادعا کیا جا سکے۔ خلافت کو ایک منصب اور اسے ایک خدائی عہدہ ثابت کرنے کے لئے ہر انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دینے کا بطلان ہمارے اب تک کے بیان میں تفصیل کے ساتھ آگیا ہے ۔ خلافت کو ایک منصب اور اسے ایک خدائی عہدہ قرار دینے والوں کا دوسرا استدلال آیہ "اناعرضنا الامانۃ"۔ میں واقع لفظ امانت ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں امانت سے مراد خلافت ہے خدا نے اپنی امانت یعنی خلافت آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو ان سب نے انکار کر دیا اور انسان نے اس بار امانت کو اٹھا لیا پس انسان خدا کا خلیفہ ہے۔ لہٰذا آیئے اب اس آیت کے معانی میں غور کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ کیا واقعا" امانت سے مراد خدا کی خلافت ہے۔

کیا امانت سے مراد خدا کی خلافت ہے؟

قرآن کریم میں خداوند تعالی کا ارشاد ہے کہ:

"انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت و الارض و الجبال فابین ان یحملنھا و اشفقن منھا و حملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا"

الاحزاب - ۷۲

"ہم نے امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھا لیا بیشک

انسان بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی جاہل ہے۔ اس آیت کو دلیل بنا کر کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد خلافت ہے لہٰذا آیئے اب اس آیت کے معانی میں غور کرتے ہیں۔

امانت کسے کہتے ہیں؟

آیئے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ امانت کسے کہتے ہیں؟ لغت میں امانت اس مال کو کہتے ہیں جو ایک انسان کسی دوسرے انسان کو سپرد کرتا ہے اور جس انسان کے پاس وہ مال رکھا جائے اسے موتمن کہتے ہیں۔ اور موتمن کا فرض یہ ہے کہ وہ اس مال کو صحیح و سالم امانت رکھنے والے کو لوٹا دے اگر موتمن امانت کو واپس نہ لوٹائے۔ یا اس میں کچھ تصرف کرے اور اسے صحیح و سالم واپس نہ کرے تو اس صورت میں اسے امانت میں خیانت کہا جاتا ہے جو بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

"یاایھاالذین امنوا لا تخونوا اللہ و الرسول و تخونوا امانٰتکم و انتم تعلمون"

الانفال ۔ ۲۷

"اے ایمان لانے والو۔ خدا اور پیغمبر کی خیانت نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی امانت میں خیانت کرو حالانکہ تم جانتے ہو"۔ اس آیت میں "امانٰتکم" ایک دوسرے کی امانت سے مراد تو ظاہر ہے کہ وہ مال ہی ہے جو ایک دوسرے کے پاس رکھا جاتا ہے لہٰذا اس میں خیانت نہ کرنے کا حکم دیا ہے لیکن خدا اور رسول کی خیانت کرنے سے جو منع کیا ہے تو وہ کونسی امانت ہے" جس میں خدا نے اپنے بندوں کو خیانت کرنے سے منع کیا ہے۔ بیشک امانت کے لغوی معنی وہ مال ہی ہے جو کسی کو سپرد کیا جائے لیکن اصطلاح قران و حدیث میں اس لفظ کے بہت وسیع معنی ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص تم سے کوئی بات کہے اور وہ اس بات پر راضی نہ ہو کہ اسکو فاش کیا جائے تو وہ بات تمہارے پاس امانت ہے اور یہ بات سورہ تحریم کو غور سے پڑھنے سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو کوئی کام کرنے کے لئے کہے اور دوسرا شخص اس کام کو انجام دینا اپنے ذمہ لے تو وہ بھی ایک امانت ہے "و علی ھذہ القیاس" اور "لا تخونوا اللہ و الرسول" ایسی ہی امانت کے لئے آیا

ہے۔

اس امانت سے مراد کونسی امانت ہے؟

اب یہ امانت کیا ہے؟ جسے خدا نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا۔ اور اس بوجھ کو اٹھانے کے باوجود تعریف کے بجائے وہ بہت بڑا ظالم اور بہت بڑا جاہل کہلایا۔ ا۔ بعض مفکرین نے یہ کہا کہ اس "امانت" سے مراد "خلافت" ہے۔ ۲۔ بعض مفکرین نے یہ کہا کہ "امانت" سے مراد "توحید" ہے جسکا اقرار خدا نے عالم ذر میں ہی آدم سے لیا۔ ۳۔ بعض مفکرین و مفسرین نے یہ کہا کہ "امانت" سے مراد تکالیف الہی، فرائض واجبات اور محرمات وغیرہ ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ان میں سے امانت سے مراد کونسی مراد صحیح ہے؟ یا قرآن کے سیاق و سباق میں امانت سے مراد ان سے بھی علاوہ کوئی اور چیز ہے؟ اس آیت کا سیاق و سباق اس طرح ہے کہ ارشاد ہوتا ہے

"و من یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا" عظیما" انا عرضنا الامانۃ علی السموت والارض و الجبال فابین ان یحملنھا و اشفقن منھا و حملھا الانسان انہ کان ظلو ما جھولا لیعذب اللہ المنافقین و المنافقات و المشرکین و المشرکات و یتوب اللہ علی المومنین و المومنات و کان اللہ غفورا" رحیما"۔"

الاحزاب۔ ۷۱ تا ۷۳

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہی تو فوز عظیم پر فائز ہو گا اور کامیاب ہو گا بیشک ہم نے اس امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو ان سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا یقیناً" انسان بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی جاہل ہے تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو تو عذاب دے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کی توبہ قبول کر کے انہیں بخش دے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے"۔

ان آیات میں سے سب سے پہلے یہ کہا گیا ہے کہ "من یطع اللہ و رسولہ فقد فاز فوزا" عظیما" "جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ فوز عظیم پر فائز ہو گا بالفاظ دیگر جو اطاعت نہ کرے گا وہ ایسا نہ ہو گا"۔ لہذا یہاں پر "من یطع اللہ و رسولہ" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اطاعت خدا و رسول حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار کے ساتھ ہے یعنی انسان خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے اور نہ کرنے میں آزاد ہے چاہے اطاعت کرے اور چاہے اطاعت نہ کرے لیکن اگر وہ حریت و آزادی سے اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ فوز عظیم پر فائز ہو گا۔ یہی حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت وہ امانت ہے جس کی استعداد آسمانوں ' زمین اور پہاڑوں میں موجود نہیں تھی تو یہ ایسا ہے گویا کہ انہوں نے حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا ورنہ تکونیا" کسی بھی مخلوق کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ خدا کی اطاعت سے سرتابی کرے۔ اور انسان نے اسے اٹھا لیا کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان کو عقل و خرد علم و آگاہی کے ساتھ حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار کا مالک بنایا ہے اور اسے یہ استعداد بخشی ہے کہ وہ عقل و خرد اور علم و آگاہی کی روشنی میں حریت و آزادی کے ساتھ اپنے ارادہ و اختیار سے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے۔ اور انسان بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی جاہل اس لئے ہے کہ اس نے اپنی ذات اپنی حیثیت اور اپنی شخصیت کو نہ پہچانا کہ خدا نے اسے ساری کائنات پر فضیلت دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔

"لقد کرمنا بنی ادم و حملناھم فی البر و الجرو رزقناھم من الطیبات و فضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا""

اسراء۔ ۷۰

"ہم نے انسان کو عزت بخشی ہے اور اسے مکرم و محترم بنایا ہے اور اسے خشکی اور تری پر تسلط عطا کیا ہے اور اسے پاک و پاکیزہ روزی عطا کی ہے اور اسے اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت و برتری عطا کی ہے" لیکن اس نے عقل و خرد کے ہوتے ہوئے خدا اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرنے کی بجائے طاغوت کی اطاعت قبول کر لی اور

حقیر اور کمتر مخلوق یعنی لکڑی اور پتھر سے بنے ہوئے بتوں کے سامنے سر بسجود ہو گیا لہٰذا اس سے بڑھ کر جہالت اور اس سے بڑھ کر اپنے اوپر ظلم اور کیا ہو گا۔ اور خدا وند تعالی نے سورہ نور میں خدا اور اس کے رسول کی حریت و آزادی سے اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ اطاعت کرنے کو واضح الفاظ میں وہ بوجھ کہا ہے جسے انسان نے اٹھایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

"قل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ماحمل و علیکم و حملتم و ان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین"

"النور۔ ۵۴۔

"اے پیغمبر کہ دیجئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم روگردان ہو گے (تو اس کا نقصان تمہیں کو ہے کیونکہ) سوائے اس کے نہیں کہ رسول کے ذمہ تو اسی ذمہ داری کی جوابدہی ہے جس ذمہ داری کا بوجھ اس نے اٹھایا ہے اور تمہارے ذمہ اس ذمہ داری کی جوابدہی ہے جس ذمہ داری کا بوجھ تم نے اٹھایا ہے اور اگر تم اسکی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو سوائے واضح طور پر احکام پہنچا دینے کے اور کچھ نہیں ہے"۔ آیت کے الفاظ **"فان تولوا"** اور **"علیکم ملحملتم"** اور **"ان تطیعوہ"** اور آیت کا لب و لہجہ پکار پکار کر کہ رہا ہے کہ خدا انسان کی حریت و آزادی سے اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کو وہ بوجھ قرار دے رہا ہے جو انسان نے اٹھایا ہے اور واضح طور پر کہا جا رہا ہے کہ **"علیہ ما حمل و علیکم ملحملتم"** اس کے ذمہ وہی ہے جس کا بوجھ اس نے اٹھایا ہے اور تمہارے ذمہ وہی ہے جسکا بوجھ تم نے اٹھایا ہے۔ پس پیغمبر نے تو خدا کے احکام واضح طور پر پہنچانے کا ذمہ لیا ہے اور انسان نے حریت و آزادی سے اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہے اور یہی ذمہ داری ہے وہ جو سوائے انسان کے ساری مخلوقات میں سے اور کسی نے نہیں اٹھائی اور یہی ذمہ داری انسان کو اجر و ثواب اور سزا و عذاب کا مستحق بناتی ہے۔ بیشک خدا و رسول پر ایمان لانے والا مومن کہلاتا ہے اور خدا و رسول پر ایمان نہ لانے والا اور خدا کا شریک بنانے والا مشرک و منافق ہوتا

ہے لیکن انسان کی حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار ہی وہ چیز ہے جو اسکو اجر و ثواب اور سزا و عذاب کا مستحق بناتی ہے اور اس بات کو اسی سلسلہ آیت میں سورہ حزاب کی آیت ۷۳ میں بالکل کھول کر اور واضح طور پر بیان کیا گیا ارشاد ہوتا ہے۔

"لیعذب اللہ المنافقین و المنافقات و المشرکین و المشرکات و یتوب اللہ علی المومنین و المومنات و کان اللہ غفورا رحیما""

الاحزاب - ۷۳

ترجمہ اسکا پہلے گزر چکا ہے۔ اس آیت میں واضح طور پر "لیعذب اللہ" میں "ل" تعلیل کے لئے ہے۔ جو منافقین اور منافقات اور مشرکین اور مشرکات پر عذاب کے وارد ہونے کی علت کو بیان کر رہی ہے اور مومنین کی بخشش کی علت کو بھی بیان کرتی ہے۔ یعنی یہ امانت وہ چیز ہے جس کے سبب سے منافقین اور مشرکین کو عذاب ہو گا اور مومنین کی بخشش ہو گی۔ اور مسلمہ طور پر کوئی چیز سوائے انسان کی حریت و آزادی کے ساتھ اپنے ارادہ و اختیار سے خدا و رسول کی اطاعت کرنے کے ایسی نہیں ہے جو انسان کو مستوجب سزا و جزا بناتی ہو۔ یعنی اگر انسان آسمانوں ' زمین اور پہاڑوں اور اسکی دوسری مخلوق کی طرح مجبور ہوتا تو ہرگز مستوجب سزا و جزا نہ ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ نہ تو اس امانت سے مراد "خدا کی خلافت" ہے نہ اس امانت سے مراد توحید ربوبی ہے اور نہ ہی اس امانت سے مراد تکالیف الٰہی اور فرائض و واجبات و محرمات ہیں۔ بلکہ حریت و آزادی کے ساتھ اپنے ارادہ و اختیار سے خدا و رسول کی اطاعت کرنا ہی وہ امانت ہے جسکا بوجھ انسان نے اٹھایا ہے اور کسی بھی دوسری مخلوق نے حریت و آزادی اور اپنے ارادہ و اختیار سے خدا و رسول کی اطاعت کرنے کا بوجھ نہیں اٹھایا اور نہ ہی کسی مخلوق میں اسکی استعداد ہے پس اس سارے بیان سے ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں بیان کردہ لفظ "امانت" سے مراد "خلافت" نہیں ہے اور نہ ہی خدا نے ہر انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے لہٰذا انسان خدا کا خلیفہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسا ظلوم و جہول ہے جو اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ خدا و رسول کی اطاعت کرنے کی امانت کو بھلا کر خود اپنے لئے حکمرانی کے اختیار کو امانت سمجھ بیٹھا ہے اور اس نے خود بخود اپنے آپ کو خدا کا خلیفہ قرار دے لیا ہے اور یہ خود سے میاں مٹھو بننے اور

اپنے پہلے سے اپنائے ہوئے عقیدہ پر قرآنی آیات کو چپکانے کی بدترین مثال ہے۔
بہرحال ہمارے مذکورہ بیان سے واضح طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ جو بوجھ تمام انسانوں نے اٹھایا ہے اور جو ذمہ داری تمام انسانوں نے خدا کی طرف سے قبول کی ہے وہ اور ہے اور جو بوجھ رسول نے اٹھایا ہے اور جو ذمہ داری رسول نے خدا کی طرف سے قبول کی ہے وہ اور ہے اور وہ ذمہ داری جو انسانوں نے خدا کی طرف سے قبول کی ہے وہ انسانوں کے پاس خدا کی امانت ہے اور وہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ اور وہ ذمہ داری جو پیغمبر نے خدا کی طرف سے قبول کی ہے وہ پیغمبر کے پاس خدا کی امانت ہے اور اس امانت کے بارے میں خدا کا حکم آگے آتا ہے۔

پیغمبر کو خدا کا حکم کہ امانتیں اسکے اہل کے سپرد کردیں

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ جو ذمہ داریاں خدا کی طرف سے پیغمبر نے قبول کی تھیں وہ پیغمبر کے پاس خدا کی امانتیں تھیں اور جو ذمہ داریاں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی طرف سے قبول کی تھیں ان میں سے ایک خلق خدا کی ہدایت کرنا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔"**و انک لتھدی الی صراط مستقیم**"۔ "بیشک تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہو"۔ ایک اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔"**انما انت منذر ولکل قوم ھاد**"۔" سوائے اس کے نہیں کہ تم ڈرانے والے ہو اور ہر ایک قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے" پس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو ہدایت کرنے کے ذمہ دار تھے اور یہ ذمہ داری یا اصالتاً" ادا ہو سکتی تھی یا نیابتاً" اور ان ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری مسلمانوں کے اوپر حکم چلانا ہے۔ اور خدا نے قرآنی آیات کا جو مفہوم خاص طور پر پیغمبر کو وضاحت کے ساتھ سمجھایا تھا اس کے مطابق مسلمانوں کے درمیان فیصلے کرنا تھا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

"**انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ**"

النساء۔ ۱۰۵

"یعنی اے پیغمبر ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ تم جس طرح خدا نے تمہیں سمجھایا ہے بتایا ہے اور دکھایا ہے اس طرح سے لوگوں پر حکم

چلاؤ اور انکے فیصلے بھی کرو"۔ اور یہ وہ ذمہ داری ہے جو خداوند تعالیٰ اپنے اقتدار اعلیٰ کے نمائندوں کو ہی اپنی طرف سے سپرد کیا کرتا ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

"یا داؤد انا جعلناک خلیفتہ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق"

ص - ۲۶

"یعنی اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں (طالوت بادشاہ کا) جانشین بنایا ہے لہٰذا تم لوگوں پر انصاف کے ساتھ حکم چلاؤ اور حق حق فیصلے کرو۔ پس خدا نے پیغمبر اکرم کو جو ذمہ داریاں سپرد فرمائی تھیں وہ خدا کی وحی بیان کرنے کے علاوہ ایک خدائی احکام پر عمل کر کے دکھانا تھا دوسرے تمام انسانوں کو راہ راست کی طرف ہدایت کرنا تھا تیسرے خدا کی طرف سے تمام انسانوں پر حکم چلانا تھا چوتھے خدا کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کے قضایا کے فیصلے کرنا تھا وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ تمام ذمہ داریاں جو پیغمبر نے قبول فرمائی تھیں اور خدا نے یہ ذمہ داریاں اپنے پیغمبر کے سپرد فرمائی تھیں یہ سب کی سب پیغمبر کے پاس خدا کی امانتیں تھیں اور انہیں امانتوں کے بارے میں خدا نے اپنے پیغمبر کو یہ حکم دیا تھا کہ تم لوگوں کے اوپر حکم کرنے اور ان کے قضایا کے فیصلے کرنے کی ان امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد کر کے جانا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

"ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین

الناس ان تحکموا بالعدل"

النساء۔ ۵۸

"یعنی بلاشک و شبہ خدا تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد کر دو اور جب تم لوگوں کے درمیان حکم نافذ کیا کرو اور فیصلے کیا کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ حکم اور فیصلے کیا کرو"۔ سورہ نساء کی اس آیت میں یقینی طور پر خطاب انہیں لوگوں سے ہے جنہیں خدا نے حکم بالعدل کرنے کی امانت سپرد کی ہے اور وہ یقینی طور پر اولا" پیغمبر اکرم کی ذات گرامی ہے اور پیغمبر نے ان امانتوں یعنی ہدایت کرنے فیصلے کرنے اور حکم کرنے کی امانتوں کو انہیں ہستیوں کے سپرد فرمایا تھا جو انکی اہل تھیں۔ اور "یامرکم"۔"تؤدوا"۔"حکمتم"۔۔ اور "تحکموا"۔۔ سب کے سب جمع کے صیغے ہیں یعنی یہ امانتیں یکے بعد دیگرے ان ہستیوں کو سپرد ہوتی

رہیں گی جو خدا کے نزدیک ان امانتوں کے اہل ہیں لہٰذا ان امانتوں کو آگے سپرد کرنے کا حکم ہر اس ہستی کو ہے جس کے پاس یہ امانتیں پہنچیں۔ اور اس لئے خدا وند تعالیٰ نے اس آیت سے اگلی آیت میں اس امانت کا ذکر فرمایا ہے جس کا بوجھ تمام انسانوں نے اٹھایا تھا یعنی ان پر ان ان لوگوں کی اطاعت بھی فرض کر دی جن کے لئے خدا نے پیغمبر کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دیں اور اس طرح خدا نے خدا و رسول کی اطاعت کے ساتھ انکی اطاعت بھی فرض قرار دیدی جنکو پیغمبر یہ امانتیں سپرد کر کے گئے تھے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

"یاایھاالذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم"

النساء۔ ۵۹

"یعنی اے ایمان والوں اللہ کی اطاعت کرو اور اپنے رسول اور اپنے تمام والیان امر کی اطاعت کرو" پس اس آیت میں تمام والیان امر کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کے مانند و مثل اور ہم پلہ فرض اور واجب کی گئی ہے اور جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آیت مذکورہ کے الفاظ "یامرکم" - "تودوا"۔ "حکمتم"۔ اور "تحکموا"۔ سب کے سب جمع کے صیغے ہیں اور اسی طرح "اولی الامر" بھی جمع کا صیغہ ہے پس ہر ولی امر پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بعد آنے والے ولی امر کو یہ تمام امانتیں سپرد کر کے جائے اور یہ حکم انہیں کے لئے ہے جن کے پاس یہ امانتیں ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ خدا تو اپنے پیغمبر کو یہ حکم دے کہ تمہارے پاس جو امانتیں ہیں وہ اپنے بعد اسے سپرد کر کے جائیں جو اسکا اہل ہے لیکن مسلمان مفکرین یہ پرچار کریں کہ پیغمبر نے یہ امانتیں کسی کو سپرد نہیں کیں اور ذمہ داریوں کا وہ بوجھ جو پیغمبر نے اٹھایا تھا اور قیامت تک جنکا ادا کرنا پیغمبر پر فرض تھا ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے لئے کسی کو بھی اپنا نائب اور جانشین نہیں بنایا اور یہی بات "مسلمانوں کے سیاسی افکار" کے نام سے ہماری یونیورسٹوں کالجوں اور مدرسوں میں ہمارے بچوں کو پڑھائی جا رہی ہے۔ تعجب پر تعجب یہ ہے کہ پیغمبر نے اپنے بعد فتنوں کے بارے میں اتنی پیش گوئیاں کی ہیں کہ حدیث کی کوئی بھی مستند کتاب اس کے بیان سے خالی نہیں ہے چنانچہ صحیح بخاری کتاب الفتن میں ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ "میرے بعد فوراً" ہی فتنے پیدا ہو جائیں گے۔ کنزالعمال کتاب الفتن حدیث ۵۰۲ ،

۷۳۸ میں ہے کہ: لوگ جس طرح دین میں گروہ در گروہ داخل ہوئے تھے اسی طرح گروہ در گروہ خارج ہو جائیں گے۔ کنزالعمال کتاب الفتن ہی کی ایک اور حدیث ہے کہ تم لوگ اپنا دین دنیا کی نہایت قلیل شے کے بدلے فروخت کر دو گے۔ کتاب الفتن صحیح بخاری میں یہ حدیث بھی ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم لوگ یہود و انصاری کی بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ بھر پیروی کرو گے۔ ان تمام باتوں کے فرمانے کے باوجود کیا یہ ہو سکتا تھا کہ پیغمبر اتنی غفلت کرتے کہ آنکھوں دیکھتے اپنے کئے کرائے پر پانی پھیر جاتے یعنی کیا پیغمبر کے لئے یہ مناسب و سزا وار تھا کہ وہ خالص و مخلص مسلمانوں کے لئے ہدایت کا کوئی انتظام نہ کرتے اور وہ عظیم ذمہ داریاں جو خدا نے پیغمبر کے سپرد کی تھیں اور جن کے ادا کرنے کا پیغمبر نے بوجھ اٹھایا تھا وہ امانتیں خدا کے حکم کے باوجود اس کے اہل کے سپرد کر کے نہ جاتے اور ساری امت کو فتنوں کے گرداب بلا میں مبتلا چھوڑ کر چلے جاتے۔ یقیناً" پیغمبر نے تو یہ امانتیں اس کے اہل کے سپرد کر دی تھیں لیکن مسلمانوں نے خود حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے پیغمبر کو خدا کا حکم نہ ماننے کا ملزم اور اسکی امانتیں اسکے حکم کے باوجود اسکے اہل کے سپرد نہ کرنے کا مجرم بنا دیا اور اطاعت کی وہ امانت جو خدا نے مسلمانوں کے سپرد کی تھی اسکا انکار کر کے خود خدا کے خلیفہ بن بیٹھے۔

کیا آیات شوریٰ خلافت کے تقرر پر دلالت کرتی ہیں؟

مسلمانوں نے جہاں خود خلیفہ بننے کے لئے قرآنی الفاظ خلیفہ۔ خلائف۔ خلفاء اور **یستخلف** سے ہر انسان کو خدا کا خلیفہ بنایا اور قرآنی آیت **انا عرضنا الامانتہ** میں واقع لفظ۔ "امانت" سے ہر انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دیا اسی طرح قرآن میں واقع آیات شوریٰ کو بھی اپنے مطلب پر دلیل کے طور پر پیش کیا ہے لہذا آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ کیا واقعا" آیات شوریٰ خلیفہ کے تقرر پر دلالت کرتی ہیں۔ اگرچہ پیغمبر کے بعد سے لیکر ۱۹۲۴ء تک تمام مسلمان بادشاہ خود کو خلیفہ ہی کہلاتے رہے لیکن جب ۱۹۲۴ء میں مصطفےٰ کمال پاشا نے عبدالمجید کا تختہ الٹ کر خلافت کا خاتمہ کر دیا تو مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام میں بادشاہت نہیں ہے اور خلیفہ کے تقرر

کے لئے آیات شوریٰ کا سہارا لینے لگے۔ چونکہ مسلمانوں کی پہلی قائم ہونے والی حکومت کے طرفداروں نے خلافت کو بعد میں ایک منصب قرار دے لیا اور یہ عقیدہ بنا لیا جیسے کہ خلیفہ کسی منصب یا عہدہ کا نام ہے لہٰذا انہوں نے پہلے تو خلافت کو ایک منصب اور ایک عہدہ ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کو اپنے عقیدہ کے ماتحت لا کر انہیں اپنے مطلب پر چپکایا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جیسے کہ خلافت ' حکمران' صاحب اقتدار اور فرمانروا کے عہدہ اور منصب کا نام ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں کی قائم کردہ حکومت کا کوئی بھی فرمانروا خدا و رسول کا مقرر کردہ نہ تھا لہٰذا پھر یہ بات بنائی کہ پیغمبر نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا بلکہ مسلم معاشرے کے لوگوں نے خود یہ جان لیا کہ اسلام ایک شوریٰ خلافت کا تقاضا کرتا ہے۔ خلافت و ملوکیت۔ ص۔ ۸۳۔ اور جب یہ عقیدہ بنا لیا کہ اسلام ایک شورئی خلافت کا تقاضا کرتا ہے تو پھر اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کو اپنے عقیدہ کے ماتحت لا کر انہیں اپنے مطلب پر چپکانے کی کوشش کی اور قرآن کریم کی آیات کے اپنے عقیدہ اور منشاء کے مطابق معنی نکال لئے چنانچہ مولانا مودودی اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں لکھتے ہیں۔ "اس ریاست کا پانچواں اہم قاعدہ یہ تھا کہ سربراہ ریاست مسلمانوں کے مشورہ اور انکی رضا مندی سے مقرر ہونا چاہئے"۔ خلافت و ملوکیت ص۔۶۹۔ اور اس کے ثبوت میں انہوں نے قرآن کریم کی دو آیات کو پیش کیا ہے۔

۱۔امرھم شوری بینھم۔ (اشوری۔ ۳۸)

"اور مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورہ سے چلتے ہیں۔

۲۔ وشاورھم فی الامر (آل عمران۔ ۱۰۹)

"اور اے نبی ان سے معاملات میں مشاورت کرو۔"

قرآن کریم میں وارد ان دونوں آیات میں لفظ "امر" کا معنی ہرگز ہرگز خلافت یا سربراہ مملکت اسلامی نہیں ہے بلکہ سیاق و سباق کلام واضح طور پر بتا رہا ہے کہ یہاں پر امر کے معنی کام بات یا معاملہ کے ہیں اسی لئے خود مولانا مودودی نے بھی "امرھم" کا ترجمہ مسلمانوں کے معاملات اور "شاورھم" کا ترجمہ ان سے معاملات میں مشاورت کرو کیا ہے۔ اور "امرھم" میں "ھم" کی ضمیر خود اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمانوں کا یہ مشورہ خود ان کے اپنے کاموں اور معاملات کے لئے ہوتا ہے لیکن

حکومت کے بارے میں تو مولانا مودودی سمیت سب کے سب مسلمان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت خدا کا کام ہے اور حکومت میں خدا کے ساتھ کوئی بھی اسکا شریک نہیں ہے۔ دراصل اس آیت سے پہلے مومنین کی کچھ صفات کی تعریف کی گئی ہے لہٰذا اس آیت میں مشورہ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے مسلمانوں کی اس صفت کی تعریف کی گئی ہے کہ جب وہ کوئی کام کرتے ہیں تو وہ اس کام کو کرنے سے پہلے آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ کرلیتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کے تجربے اور مشاہدے سے استفادہ کرتے ہیں لہٰذا یہ آیت ہرگز ہرگز ان کے مدعا کو ثابت نہیں کرتی اور دوسری آیت تو نہ صرف انکے مدعا کو ثابت نہیں کرتی بلکہ سراسر ان کے مدعا کے خلاف ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے کچھ تفصیل کی ضرورت ہے جو اس طرح ہے کہ یہ آیت جنگ احد کے بارے میں نازل شدہ آیات کے سلسلہ کی ایک آیت ہے لہٰذا ہم اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے جنگ احد کے سلسلہ میں نازل شدہ آیات اور کچھ واقعات کو مختصر طور پر یہاں پیش کرتے ہیں۔

جنگ احد کا اصل سبب، جنگ بدر میں کفار قریش کا شکست کھانے کے بعد انتقام لینے کا جذبہ تھا چنانچہ ابوسفیان نے بدر کی شکست کا انتقام لینے کے لئے ۱۲ شوال ۳ ھ بروز بدھ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ کے شمال میں پڑاؤ ڈال دیا۔ تاریخ الخمیس ج۔ص ۴۳۱۔ پیغمبر نے مہاجر و انصار کو دفاع کے سلسلہ میں مشورہ کرنے کے لئے اکٹھا کیا جس پر دو رائیں سامنے آئیں۔ ا۔ یہ کہ گھروں میں بیٹھ کر لڑا جائے مرد گلیوں میں دست بدست لڑائی لڑیں اور عورتیں چھتوں کے اوپر سے سنگ باری کریں اس نظریہ کو چونکہ "عبداللہ بن ابی" رئیس منافقین نے پیش کیا تھا لہٰذا اس نے اس بات پر بہت اصرار کیا۔ ۲۔ یہ کہ مجاہدین مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کریں۔ اس رائے کو انصار کے جوانوں کی تائید حاصل تھی اور مہاجرین میں سے حضرت حمزہ اس رائے کی تائید کرنے میں پیش پیش تھے۔ آخر کار پیغمبر نے دوسری رائے کو اختیار کیا آپ گھر میں تشریف لے گئے زرہ پہنی، تلوار حمائل کی، سپر پشت پر ڈالی اور کمان کاندھے پر لٹکائی اور نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے گھر سے برآمد ہوئے۔ پیغمبر ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے باہر آئے جن میں رئیس منافقین "عبداللہ بن ابی" بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پیغمبر کے ہمرکاب میدان کی طرف روانہ ہوا لیکن "مدینہ" اور "احد" کے

درمیان ایک باغستان کے پاس ایک مقام پر پہنچ کر جس کا نام "بواط" تھا "عبداللہ بن ابی" تین سو منافقین کے ساتھ پیغمبر کے لشکر سے جدا ہو کر مدینہ کی طرف لوٹ گیا۔ "عبداللہ بن جبیر" رئیس خزرج نے اسے بہت نصیحت کی اور ساتھ چھوڑ کر جانے سے منع کیا لیکن اس نے یہ بہانہ بنا کر کہ پیغمبر نے دوسروں کی رائے کو اس کی رائے پر مقدم رکھا ہے جہاد میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔۔۔

سیرۃ حلبی ج ۲ ص ۲۲۳
تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۲۲۳

"عبداللہ بن جبیر" نے بہت سمجھایا کہ وہ لشکر اسلام سے جدا نہ ہو اور اگر جنگ نہیں کرتے تو دفاع ہی کرتے رہنا لیکن اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ کوئی جنگ نہیں ہو گی اور اگر جنگ چھڑ گئی تو پھر ہم تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ قرآن نے منافقین کے رئیس "عبداللہ بن ابی" کی رئیس خزرج "عبداللہ بن جبیر" کے ساتھ گفتگو کی طرف اس طرح سے اشارہ کیا ہے

"وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ اوادفعوا قالو لو نعلم قتالا لاتبعناکم ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان یقولون بافواھم ما لیس فی قلوبھم واللہ اعلم بمایکتمون"

آل عمران۔ ۱۶۷

"اور (منافقوں سے) کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا (اگر لڑنا نہیں چاہتے تو ہمارے ساتھ رہ کر) دفاع ہی کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوا کہ لڑائی چھڑ گئی ہے تو ہم بھی تمہارے پاس پہنچ جائیں گے وہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے وہ اپنی زبان سے وہ بات کہتے تھے جو ان کے دل میں نہیں تھی اور جو کچھ انہوں نے دل میں چھپایا ہوا تھا خدا اس سے آگاہ ہے۔ "عبداللہ بن ابی" کے تین سو منافقین کے ساتھ واپس لوٹ جانے کے بعد پیغمبر کے ساتھ صرف سات سو افراد باقی رہ گئے اور یہ منافقین سے پاک خالص اسلامی لشکر تھا۔

لشکر اسلام میں اختلاف

"عبد اللہ بن ابی" کے لوٹ جانے کے بعد لشکر اسلام میں ایک خطرناک اختلاف پیدا ہو گیا۔ قبیلہ "اوس" کا ایک خاندان "بنو حارثہ" اور قبیلہ "خزرج" کا ایک خاندان "بنو سلمہ" آپس میں الجھ پڑے ایک نے کہا پہلے ہم اس داخلی دشمن سے جنگ کریں گے اور اس سے نمٹیں گے دوسرا گروہ "عبد اللہ بن ابی" کا ہم قبیلہ ہونے کی وجہ سے اسکی حمایت کے لئے کھڑا ہو گیا۔ قرآن کریم نے منافقین کے بارے میں لشکر اسلام کے دو گروہوں میں بٹ جانے کو اس طرح بیان کیا ہے۔

فمالکم فی المنافقین فئتین و اللہ ارکسھم بما کسبوا اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ و من یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا"

لنساء۔۸۸۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو حالانکہ اللہ نے انکو انکے افعال کے سبب سے الٹ دیا ہے کیا تم یہ ارادہ رکھتے ہو کہ خدا نے جس سے توفیق ہدایت سلب کرلی ہے تم اسے راہ راست پر لے آؤ گے اور خدا جس سے توفیق ہدایت سلب کرلیتا ہے تم اس کے لئے ہرگز کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔

منافقین کے رئیس "عبد اللہ بن ابی" کے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ جانے نے لشکر اسلام پر بہت برا اثر ڈالا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہی واپس نہیں لوٹا بلکہ دوسروں کو بھی واپس لوٹ جانے کی دعوت دینے لگا چنانچہ دو گروہ اور بھی راستہ سے ہی لشکر اسلام سے جدا ہونے پر، پر تولنے لگے قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے۔

"اذ ھمت طائفتان منکم ان تفشلا' واللہ ولیھما و علی اللہ فلیتوکل المومنون"

آل عمران۔ ۱۲۲

"اس وقت کو یاد کرو جب تم ہی میں سے دو گروہ اور پھسل گئے اور انہوں نے

سستی دکھانے (اور راستہ سے لوٹ جانے) کا ارادہ کرلیا لیکن خدا نے انکی مدد کی اور اہل ایمان کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے' آخر کار پیغمبر سات سو افراد کے ساتھ احد کے میدان میں وارد ہوئے اور حساس ترین لمحات میں سخت ترین جنگ سے روبرو ہوئے۔
تاریخ الخمیس ج اص ۴۲۲۔

جنگ احد کی روئیداد

سات شوال سن ۳ ہجری کو لشکر اسلام "احد" کے میدان میں لشکر کفرو شرک کے مقابلہ میں ڈٹ گیا لشکر اسلام نے ایسی جگہ کو لشکر گاہ کے لئے منتخب کیا جس کے پیچھے ایک طبعی رکاوٹ یعنی کوہ احد تھا لیکن کوہ احد کے درمیان میں ایک ایسا درہ تھا جس کی وجہ سے اس بات کا احتمال تھا کہ دشمن کا لشکر کوہ احد کا چکر کاٹ کر اس درہ کے ذریعہ لشکر اسلام کی پشت سے آکر لشکر اسلام پر حملہ کر دے۔ پیغمبرؐ نے اس خطرے کے دفاع کے لئے تیر اندازوں کا ایک دستہ ٹیلے پر تعینات کر دیا ور انکے افسر "عبداللہ بن جبیر" کو یہ حکم دیا کہ تم تیروں کے ذریعہ دشمن کو بھگا دینا اور انہیں پہاڑ کا چکر کاٹ کر لشکر کے پیچھے سے حملہ کرنے سے روکے رکھنا اور تم ہرگز اس جگہ کو نہ چھوڑنا چاہے ہم کامیاب ہوں یا مغلوب ہو جائیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ پیغمبر نے فرمایا: "اگر تم یہ دیکھو کہ ہوا کے پرندے ہمیں اٹھا کر لے جا رہے ہیں تو تم پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا جب تک کہ میں تمہیں اجازت نہ دوں اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے دشمن کو مغلوب کر لیا ہے تو پھر بھی تم اسی جگہ پر ڈٹے رہنا جب تک کہ میں تمہیں حکم نہ دوں"۔

تاریخ الخمیس ج اص ۴۲۳

"پیغمبر کی اس تاکید اکید کے باوجود تیر اندازوں نے پیغمبر کے تاکیدی حکم کی خلاف ورزی کی کیونکہ جنگ کے پہلے مرحلہ میں جب مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہو گئی تو تیر اندازوں نے اس درہ کو مال غنیمت کی خاطر یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیا کہ اب اس جگہ کی حفاظت کی ضرورت نہیں اور شکست خوردہ دشمن تیزی کے ساتھ پہاڑ کے گرد چکر کاٹ کر اس درہ تک پہنچ گیا۔ جب تیر اندازوں کا سردار عبداللہ بن جبیر اپنے بچے

کچھ ساتھیوں کے ہمراہ جو آخر وقت تک ڈٹے رہے تھے شہید ہو گئے تو دشمن درہ کے راستہ سے میدان میں داخل ہو گیا جنہیں دیکھ کر مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی چنانچہ اس جنگ میں مسلمانوں کو جتنا نقصان اٹھانا پڑا اتنا اور کسی جنگ میں نہیں اٹھایا۔ کیونکہ جو لڑتے رہے وہ یا تو شہید ہو گئے یا بری طرح زخمی ہوئے اور باقی سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ قرآن اس حالت کا نقشہ اس طرح سے کھینچتا ہے۔

"و اذ تصعدون ولا تلون علی احد و الرسول یدعوکم فی اخراکم"

آل عمران۔ ۱۵۳

"اس وقت کو یاد کرو جب تم (پہاڑ پر) چڑھے چلے جا رہے تھے اور (بھاگتے ہوئے) کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور رسول تم کو پیچھے سے پکار رہے تھے اور تمہیں آوازیں دے رہے تھے۔

اعلان معافی و درگذر

جنگ احد کے خاتمہ کے بعد منافقین کے علاوہ خود مسلمانوں سے اس جنگ میں جو کوتاہیاں اور نافرمانیاں ہوئیں خدا نے ان سے درگذر فرمایا ان پر رحم کیا' اور انہیں معاف کر دیا اور انکی دلجوئی کے لئے اور یہ احساس دور کرنے کے لئے کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جا رہی ہے یا انہیں انکی نافرمانیوں اور فرار کرنے کی وجہ سے سبک سمجھا جا رہا ہے ارشاد فرمایا:

"فبما رحمتہ من اللہ لنت لھم لو کنت فظا" غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعفو عنھم واستغفر لھم و شاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین"

آل عمران۔ ۱۵۹

"پھر اے پیغمبر تم نے خدا کی رحمت سے ان کے ساتھ نرمی برتی اور اگر تم درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے چلتے بنتے پس اب تم ان سے درگذر کرو انہیں معاف کر دو اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرو اور ان سے

معاملات میں (پہلے کی طرح) مشورہ کرتے رہا کرو۔ اور جب تم کسی بات کا پختہ ارادہ کر لو تو اس وقت اللہ پر بھروسہ کیا کرو یقیناً" اللہ بھروسا کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

"لنت لھم" میں "ھم" کی ضمیر کا مرجع

خداوند تعالی جنگ احد کے حالات کو بیان کرنے کے بعد یعنی "عبداللہ بن ابی" رئیس منافقین کے میدان سے واپس چلے جانے کو بیان کر کے، مسلمانوں کے دو گروہوں میں پھٹ جانے کو بیان کر کے، مسلمانوں کے اور دو گروہوں کے پھسل جانے کو بیان کر کے، درہ سے حکم رسول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے درہ کو چھوڑ دینے کو بیان کر کے، رسول اللہ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہونے اور پہاڑ پر چڑھنے کی کیفیت کو بیان کر کے، پہاڑ پر بیٹھے ہوئے مسلمانوں کی بدگمانی کو بیان کر کے، بالفاظ دیگر منافقین کی تخریب کاری اور کمزور دل مسلمانوں کی کار شکنی کو بیان کر کے ارشاد فرما رہا ہے:"فبما رحمتہ من اللہ لنت لھم"۔ "پھر تم نے خدا کی رحمت سے انکے ساتھ نرمی برتی۔

اس آیت میں "لنت لھم" کی ضمیر کا مرجع مذکورہ سارے کے سارے افراد ہیں۔ یعنی اللہ کی رحمت سے پیغمبر نے تخریب کاری کرنے والے منافقین کے ساتھ کار شکنی کرنے والے کمزور دل مسلمانوں کے ساتھ، درہ کو چھوڑ دینے والے مسلمانوں کے ساتھ، مال غنیمت پر ٹوٹ پڑنے والے مسلمانوں کے ساتھ، پہاڑ پر چڑھ جانے والے مسلمانوں کے ساتھ، اور رسول کا ساتھ، چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر جانے والے مسلمانوں کے ساتھ نرمی برتی۔

"شاورھم" ۔ میں "ھم" کی ضمیر کا مرجع

سورہ آل عمران کی یہ پوری آیت ہے جس میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا "شاورھم فی الامر" نکال کر اپنے عقیدے کے ماتحت مطلب نکالا گیا۔ اگر سیاق و

سباق کلام کے مطابق صحیح مطلب نکالا گیا ہوتا تو اختصار کے نکتہ نظر سے آیت کا چھوٹا سا ٹکڑا تحریر کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے نہ صرف قرآن کو بقول قرآن "جعلو القرآن عضین"۔ (الحج)۔ قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بلکہ پہلے سے قائم کئے ہوئے عقیدہ کے مطابق مطلب نکالنے کے لئے آیت قرآنی کا قتل عام کیا۔ اس آیت میں جن کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم ہوا ہے اور جن کے لئے "لنت لھم فرمایا گیا" انہیں سے "شاورھم فی الامر" معاملات میں مشورہ کرتے رہنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ اور "شاورھم" میں "ھم" کی ضمیر کا مرجع وہی سارے کے سارے افراد ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے ان سے درگذر کرنے اور انہیں معاف کرنے کے ساتھ ان کی تالیف قلب اور انہیں یہ احساس دلانے کے لئے کہ ان سے بے رخی نہیں برتی جا رہی ہے پیغمبر کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم ان سے معاملات میں اسی طرح مشورہ کرتے رہا کرو جیسا کہ جنگ احد کے شروع ہونے سے پہلے کیا تھا تاکہ ان میں تمہاری طرف سے بے رخی برتنے کا احساس ختم ہو اور وہ یہ سمجھ لیں کہ ہماری شخصی حیثیت پر کوئی آنچ نہیں آئی ہے اور وہ تمہارے ساتھ وابستگی اختیار کرنے کے لئے تیار رہیں اور اسکی علت یہ بیان فرمائی کہ

"ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک"

"اگر تم درشت مزاج، سخت دل اور اکھڑ قسم کے ہوتے (اور انکے کرتوت کی وجہ سے ان سے نفرت کرنے لگتے) تو وہ سارے کے سارے تمہارا ساتھ چھوڑ کر چلے جاتے۔ گویا اس درگذر کرنے انہیں معاف کرنے اور ان سے مشورہ لیتے رہنے میں مصلحت یہ ہے کہ وہ پیغمبر کے ساتھ وابستہ رہیں اور پیغمبر کو چھوڑ کر چلتے نہ بنیں۔ کیونکہ چاہے وہ جیسے بھی ہیں ان کے ساتھ رہنے سے کم از کم کافروں کو مسلمانوں کی ایک خاصی اچھی بھلی تعداد تو نظر آتی ہے ورنہ پیغمبر کو آخری حکم یہ ہے کہ جب تم کسی بات کا پختہ ارادہ کر لو تو اللہ پر توکل کرو۔ بہرحال یہ مشورہ کا حکم کسی خلیفہ یا سربراہ مملکت کے تعین کے لئے نہیں تھا اور اگر ایسا ہوتا تو ماننا پڑے گا کہ پیغمبر نے ایسا مشورہ کر کے کسی کو اپنا جانشین اور سربراہ مملکت اسلامی بنا دیا تھا اور اگر نہیں بنایا تھا تو خدا کے حکم کی صریح خلاف ورزی کی تھی جسکا پیغمبر کے بارے میں تصور بھی

نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں پیغمبر ہی کو خاص طور پر حکم ہے کہ "شاورھم فی الامر" لہٰذا اس صورت میں مشورہ کی یہ آیت مولانا مودودی اور ان ہی جیسا عقیدہ رکھنے والوں کے مدعا کے سراسر خلاف ہے پس انہیں مان لینا چاہئے کہ پیغمبر کو احد میں بھاگنے والوں سے مشورہ کرتے رہنے کا یہ حکم سربراہ مملکت کے انتخاب کے لئے نہیں تھا بلکہ ان کی تالیف قلب کے لئے تھا اور ان کا یہ کہنا قطعی غلط اور باطل ہے کہ :"اس ریاست کا پانچواں اہم قاعدہ یہ تھا کہ سربراہ ریاست مسلمانوں کے باہمی مشورہ اور انکی رضامندی سے مقرر ہونا چاہئے۔ - خلافت و ملوکیت ص ۶۹۔ کیونکہ نہ تو حقیقت میں ایسا تھا اور نہ ہی پیغمبر اکرمؐ کے عین بعد سے لیکر ۱۹۲۴ء یعنی خلافت کے عہدہ و منصب کے خاتمہ تک کبھی ایسا ہوا بلکہ یہ آئندہ آنے والی نسلوں کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔ لیکن اب مغرب کی جمہوریت کی یلغار سے مغلوب ہو کر اکثر مسلم دانشوروں اور اسلامی مفکرین نے قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ کے لئے قرآن میں وارد ہونے والے لفظ - خلفاء - خلائف اور یستخلف کو دلیل بنا کر سیاق و سباق کلام سے بالکل ہٹ کر ہر برسراقتدار قوم کو خدا کا خلیفہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۳۴ پر اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے کہ:

"ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے"۔ (خلافت و ملوکیت ص ۳۴)۔

قرآنی آیات میں سے جو ایک چھوٹا سا ٹکڑا وشاورھم فی الامر" کی طرح سے پیش کیا ہے وہ یہ ہے

"واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح"

الاعراف۔ ۶۹

"اور اسکا ترجمہ انہوں نے یوں کیا ہے کہ (اے قوم عاد) یاد کرو جبکہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا اور دوسری آیت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا انہوں نے یوں پیش کیا ہے۔

"واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد"

الاعراف۔ ۷۴

"اور اسکا ترجمہ انہوں نے یوں کیا ہے کہ (اے قوم ثمود) یاد کرو جبکہ اس نے تمہیں عاد کے بعد خلیفہ بنایا۔ ان دونوں ٹکڑوں میں باوجود کثر یونت کے نہ تو برسراقتدار ہونے کی کوئی بات ہے اور نہ ہی خدا کا خلیفہ ہونے کی کوئی بات ہے اور نہ ہی باہمی مشورہ کا کوئی ذکر ہے۔ بلکہ خداوند تعالی نے قوم عاد اور قوم ثمود کو جو لقب دیا ہے وہ مستکبرین اور جبار عنید کا لقب ہے اور ہم اسکی تفصیل ایک علیحدہ عنوان کے تحت اس سے آگے پیش کرتے ہیں۔

مستکبرین و جبار عنید

اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی بگڑتی ہوئی کا فرو بت پرست قوم کے پاس جب بھی انکا نبی آیا تو ان پر چند گنتی کے لوگ ہی ایمان لائے اور باقی اپنی ضد پر اڑے رہے خدا نے ان کافروں کو اپنے عذاب سے ہلاک کر دیا اور اس نبی کو اور اس نبی پر ایمان لانے والوں کو نجات دے کر ان کے مالوں کا وارث بنا کر ان کی جگہ آباد کر دیا۔ چونکہ یہ اس ہلاک ہونے والی قوم کے وارث و جانشین بنے لہٰذا یہ اہل ایمان اس ہلاک ہونے والی قوم کے خلفاء۔ یا خلائف' کہلائے' لیکن اہل ایمان کے لئے فرمانروا اور واجب الاطاعت حاکم پہلے بھی وہ رسول ہی تھا جس پر وہ ایمان رکھتے تھے اور یہ اس کے مطیع و فرمانبردار تھے اور عذاب کے ذریعہ ساری کافر قوم کے ہلاک ہونے کے بعد بھی ان باقی بچ رہنے والے اہل ایمان کے لئے وہی رسول واجب الاطاعت حاکم و فرمانروا تھا اور یہ زندہ بچ رہنے والے صاحبان ایمان اسی رسول کے مطیع و فرمانبردار و پیرو کار تھے' اور یہ ایمان والے صرف ان ہلاک ہونے والے کافروں کے مالوں اور زمینوں کے مالک و وارث بنے تھے خود برسراقتدار نہیں آئے تھے اور نہ ہی خدا نے انکو اپنا خلیفہ کہا تھا اور چونکہ نبوت ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ نبوت کا سلسلہ جاری تھا لہٰذا انبیا اور اوصیاء انبیاء اس قوم کی ہدایت کے لئے آتے رہتے تھے اور وہی اس قوم کے لئے واجب الاطاعت حاکم و فرمانروا ہوتے تھے' لیکن جب سینکڑوں ہزاروں سال بعد ان اہل ایمان کی نسل میں سے کوئی انبیاء علیہم اسلام سے سرکشی اختیار کر کے اپنی افرادی قوت و طاقت کے ذریعہ خود سے اپنی حکومت اختیار کر لیتا تھا تو خدا نے ان

کے لئے خلیفہ یا خلفاء یا خلائف کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ خدا نے ان کے اس فعل کو استکبار قرار دیا اور انہیں مستکبرین یعنی خود سے بڑا بن جانے والے اور جبار عنید کا خطاب دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ لفظ خلیف قوم نوح کے عذاب میں غرق ہونے کے بعد ان اہل ایمان کے لئے استعمال ہوا جو نوح کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے اور عذاب الٰہی سے بچ گئے تھے اور کافروں کی زمینوں کے مالک بن گئے تھے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"فکذبوہ فنجینہ و من معہ فی الفلک و جعلنٰھم خلائف و اغرقنا الذین کذبوا بایٰتنا"

یونس۔ ۷۳

"پس نوح کی قوم نے نوح کو جھٹلایا تو ہم نے خود نوح کو اور جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے ان کو تو نجات دی اور ان کو پہلوں کا جانشین بنا دیا اور جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے ان سب کو ڈبو دیا۔ خدا نے اس قوم کو اس لئے غرق کیا کہ انہوں نے حضرت نوح کی اطاعت نہیں کی بلکہ سرکشی اختیار کئے رکھی اور خود بڑے بنے رہے۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے تھے وہ حضرت نوح کو ہی واجب الاطاعت سمجھتے تھے ان کے پیرو تھے اور ان کے فرمانبردار تھے۔ لہٰذا وہ نوح کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے اور نجات پائی اور ان کافروں کی تمام زمینوں کے مالک و وارث بن گئے اور اس معنی میں یہ ان کے جانشین کہلائے۔ لیکن یہ اہل ایمان نجات پانے کے بعد بھی جب زمین پر آباد ہوئے تو حضرت نوح کے ہی اطاعت گذار اور فرمانبردار رہے۔ اور حضرت نوح کشتی سے اترنے کے بعد بعض مستند روایات کے مطابق تقریباً" ۵۰۰ سال تک انکی ہدایت کا کام انجام دیتے رہے اور ان پر حاکم و فرمانروا رہے جیسا کہ پہلے بھی وہی ان کے حاکم و فرمانروا تھے اور یہ اہل ایمان نہ پہلے حاکم تھے اور نہ اب حاکم بنے تھے۔ مگر بعض روایات کے مطابق یہ اہل ایمان بھی کسی بیماری کی وجہ سے سب کے سب وفات پا گئے اور مردوں میں سے صرف حضرت نوح کے بیٹے ہی زندہ رہے۔ اور آگے ان ہی کی اولاد کثرت سے پھیلی اور اسی لئے حضرت نوح کو آدم ثانی کہا جاتا ہے' اور حسب روایات حضرت نوح کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام سام تھا۔ اور سام کے ایک بیٹے کا نام ارم تھا۔ اور ارم کے ایک بیٹے کا نام حوص تھا اور

حوص کے ایک بیٹے کا نام "عاد" تھا۔ اسی عاد کی اولاد قوم عاد کہلاتی ہے۔ جس نے سرکشی اختیار کرلی انبیاء کی اطاعت سے انحراف کیا اور اسلام و ایمان سے منہ موڑ لیا۔ ایک روایت کے مطابق اس عاد کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام شداد تھا اور دوسرے کا شدید۔ یہ دونوں اپنی افرادی قوت و طاقت کے بل بوتے پر بادشاہ بن گئے۔ اور شدید کے مرنے کے بعد ساری کی ساری سلطنت شداد کے پاس آگئی اور بڑے بڑے بادشاہ اس کے مطیع ہو گئے۔ اس نے جنت کا ذکر سنا تو اس پر آمادہ ہو گیا کہ عدن کے کسی صحرا میں جنت بھی بنا ڈالی۔ لیکن اسے اپنی اس جنت میں داخل ہونا نصیب نہ ہوا اور اسکی سرکشی کی وجہ سے خدا وند تعالی نے ایک چیخ ان پر بھیج دی جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ

"الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلها فی البلاد"

الفجر۔ ۶ تا ۸

"کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ تمہارے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ جو ستونوں والے ارم کے رہنے والے تھے کہ ویسا۔ شہر شہروں میں بنایا ہی نہیں گیا تھا۔ اور خدا وند تعالی قرآن کریم میں قوم عاد کی سرکشی کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"فاما عاد فاستکبروا فی الارض بغیر الحق و قالوا من اشد منا قوة"

پ ص ع ۔۱۶

"اب رہی قوم عاد تو انہوں نے ناحق زمین میں بڑا بننا چاہا اور یہ کہا کہ قوت میں ہم سے زیادہ کون ہے۔"

پس جب قوم عاد نے جو نوح کے ساتھ کشتی میں بچ رہنے والے اہل ایمان کی اولاد تھے سرکشی اختیار کرلی اور خدائی اقتدار کے نمائندوں سے منہ پھیر لیا۔ اور انبیاء علیھم السلام کی اطاعت و پیروی چھوڑ کر خود بڑے بن گئے اور اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر بادشاہ کہلانے لگے تو خدا نے ان سرکشوں اور مستکبرین کے پاس حضرت ھود کو بھیجا۔ خدا وند تعالی قرآن کریم میں اسکا ذکر یوں کرتا ہے۔

"والی عاد اخاھم ھودا قال یا قوم اعبدالله مالکم من الہ غیرہ افلا تتقون"

ب ۸ ع ۱۶

"اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ھود کو بھیجا تو انہوں نے ان کے پاس جا کر کہا "اے میری قوم تم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں ہو"۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ قوم عاد نے انبیاء علیھم اسلام کی طرف سے منہ موڑ لیا تھا اور نہ صرف ان سے سرکشی کرتے ہوئے خود سے بڑے بن گئے تھے اور اپنی قوت و طاقت کے ذریعہ برسراقتدار آ گئے تھے بلکہ انہوں نے بت پرستی بھی شروع کر دی تھی ۔ اور حضرت ھود کو قوم عاد کا بھائی اس لئے کہا کیونکہ حضرت ھود حضرت شالح کے بیٹے تھے اور حضرت شالح حضرت ارفخشد کے بیٹے تھے اور حضرت ارفخشد حضرت سام کے بیٹے تھے اور وہ حضرت نوح کے بیٹے تھے ۔ اور قوم عاد بھی حضرت سام سے جدا ہوئے جسکا سابق میں بیان ہو چکا لہٰذا قرآن نے حضرت ھود کو قوم عاد کا بھائی کہا اور حضرت ھود نے قوم عاد کو "اے میری قوم" کہہ کہ خطاب کیا اور انہیں خدا کا یہ احسان یا دلایا کہ ان کے آباؤ اجداد صرف اس لئے عذاب خداوندی سے زندہ بچے تھے کہ وہ حضرت نوح پر ایمان رکھتے تھے اور حضرت نوح کے اطاعت گذار اور فرمانبردار تھے لہٰذا خدا نے کافروں کو غرق کرنے کے بعد انکو انکی زمینوں کا مالک بنا کر ان کا وارث بنا دیا تھا۔ قرآن کریم میں خداوند تعالیٰ حضرت ھود کی طرف سے اسی احسان کو یاد دلانے کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"واذکروا از جعلکم خلفلہ من بعد قوم نوح"

پ ۱۸ ع ۱۶

اور (اے قوم عاد یاد کرو جبکہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا۔ یہ ترجمہ ہے مولانا مودودی صاحب کا جو انہوں نے خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۳۴ پر تحریر کیا ہے۔ یعنی مولانا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پہلے قوم نوح خلیفہ تھی ان کے بعد قوم عاد خلیفہ ہوئی ۔ حالانکہ قوم عاد حضرت نوح کے سینکڑوں ہزاروں سال بعد ہوئی ہے۔ اور یہاں پر حضرت ھود قوم نوح کے غرق ہونے کے بعد قوم عاد کے آباد و اجداد کے حضرت نوح پر ایمان لانے کی وجہ سے زندہ بچ رہنے اور غرق ہونے والے کافروں کی

زمینوں کا وارث و مالک بنائے جانے کا احسان یاد دلا رہے ہیں لیکن خود قوم عاد کے بارے میں قرآن نے یہ کہا ہے کہ

"فلما عاد فاستکبروا فی الارض بغیر الحق وقالوا من اشد منا قوۃ"

پ ۲۴ ع ۱۶

"اب رہی قوم عاد تو انہوں نے ناحق زمین میں بڑا بننا چاہا اور یہ کہا کہ قوت و طاقت میں ہم سے زیادہ کون ہے۔ پس قوم عاد کے آباؤ اجداد جو نوح پر ایمان لانے کی وجہ سے زندہ بچ رہے تھے اور غرق ہونے والوں کے مالوں اور زمینوں کے وارث بنے تھے۔ خدا نے ان اہل ایمان کو حضرت نوح کا مطیع و فرمانبردار رہنے کی وجہ سے غرق ہونے والوں کے خلفاء یعنی جانشین و وارث و مالک بنایا تھا نہ کہ اپنا خلیفہ اور برسراقتدار قوم لیکن خود قوم عاد جو حضرت نوح کے سینکڑوں ہزاروں سال بعد ہوئی ان کو خدا نے اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر خود سے بڑا بن جانے والا۔ استکبار کرنے والا سرکشی کرنے والا اور مستکبرین کہا ہے اور ان کے لئے جبار عنید کا لقب اور خطاب استعمال کیا ہے چنانچہ جب خداوند تعالیٰ نے انکی طرف حضرت ھود کو بھیجا تو وہ قوم اپنی سرکشی پر اڑی رہی الہٰذا حضرت ھود نے ان سے کہا۔

"فان تولوا فقد ابلغتکم ما ارسلت بہ الیکم و یستخلف ربی قوما غیرکم ولا تضرونہ شیئا" ان ربی علی کل شیئ حفیظ ولما جاء امرنا نجینا ھودا" والذین امنوا معہ برحمتہ منا و نجیناھم من عذاب غلیظ و تلک عاد جحدوا بایات ربھم و عصوا رسلھم و اتبعوا امر کل جبار عنید"

پ ۱۲ غ ۵

"حضرت ھود نے کہا کہ اگر تم منہ پھر لو گے تو میں نے تو تم کو وہ پیغام پہنچا دیا جس کے لئے میں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا اور میرا پروردگار تمہاری جگہ ایک اور قوم کو تمہارا جانشین کر دے گا اور تم اس کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ بیشک میرا پروردگار ہر شے کا محافظ ہے۔ اور جس وقت ہمارا حکم آیا تو ہم نے اپنی رحمت سے ھود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو بچا لیا اور ان کو سخت عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور یہی قوم عاد تھی جو اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا کرتی تھی اور اس کے

رسولوں کی نافرمانی کرتی تھی اور ہر جابر کینہ ور اور ظالم کے فرمان کی تعمیل کرتی تھی۔

ان آیات کی تفسیریں حضرت مولانا شبیراحمد عثمانی یوں لکھتے ہیں:۔

ف : ۳:۔ یعنی ایسی صاف اور کھری کھری باتیں سن کر بھی نہ مانو گے تو اب میرا کچھ نقصان نہیں میں فرض تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا تم اپنی فکر کرلو۔ ضرور ہے کہ اس قسم کی ہٹ دھرمی اور تعصب اور عناد پر آسمان سے عذاب آئے جو تم کو ہلاک کر ڈالے۔ خدا کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہو گی وہ دوسرے لوگوں کو تمہارے اموال وغیرہ کا مالک بنا دے گا۔ تمہارا قصہ ختم کر دینے سے یاد رکھو خدا کا یا اس کے پیغمبروں کا کچھ نہیں بگڑتا نہ اسکا ملک خراب ہوتا ہے جب وہ ہر چیز کا محافظ و نگہبان ہے تو ہر قابل حفاظت چیز کی حفاظت کے سامان اپنی قدرت کاملہ سے کر دے گا"

ف۔ ۴: یعنی سات رات اور آٹھ دن مسلسل آندھی کا طوفان آیا جیسا کہ سورہ اعراف میں ہم ذکر کر چکے ہیں مکان گر گئے۔ چھتیں اڑ گئیں ۔ درخت جڑ سے اکھڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔ ہوا ایسی مسموم تھی کہ آدمیوں کی ناک میں داخل ہو کر نیچے سے نکل جاتی تھی اور جسم کو پارہ پارہ کر ڈالتی تھی ۔ اس ہولناک عذاب سے ہم نے ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو جو آخر میں چار ہزار تک پہنچ گئے تھے بالکل محفوظ رکھا اور ایمان اور عمل صالح کی بدولت آخرت کے بھاری عذاب سے بھی انکو نجات دیدی۔

ف ۔۵: یعنی ان کے کھنڈرات کو چشم عبرت سے دیکھو کہ یہ قوم عاد تھی جن کے بڑوں نے بہت طمطراق سے اپنے پروردگار کی باتوں کا مقابلہ کیا۔ اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور چھوٹوں نے بڑے شیطانوں کی پیروی کی آخر دونوں تباہ و برباد ہوئے۔ تفسیر عثمانی ص ۲۹۵۔

ان آیات اور اس تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ حضرت نوح کے سینکڑوں ہزاروں سال بعد حضرت سام کی اولاد میں سے عاد کی اولاد جو قوم عاد کہلائی خدا اور انبیاء کی اطاعت سے انحراف کر کے گمراہ ہو گئی تھی اور اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر برسراقتدار آ گئی تھی تو خدا نے اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر برسراقتدار آنے والے قوم عاد کے ان بادشاہوں کو مستکبرین کہا ہے۔ اور جبار و عنید کا لقب دیا

ہے۔ لیکن مولانا مودودی صاحب اور اسی قسم کی فکر و نظر رکھنے والے اور خلافت کو خدائی منصب سمجھنے والے قوم عاد کو خدا کا خلیفہ سمجھتے ہیں۔

قوم عاد کی تباہی کے بعد وہ چار ہزار آدمی جو حضرت ھود پر ایمان لائے تھے ان ہلاک ہونے والوں کی زمینوں اور مالوں کے مالک اور وارث بن گئے اور حضرت ھود کی رہبری و رہنمائی ۔ سرپرستی و سربراہی میں انکی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہے۔ لیکن زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ پھر سینکڑوں ہزاروں سال بعد ان زندہ بچ رہنے والوں کی اولاد میں سے ایک قوم ثمود ابھری اور انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی کرتے ہوئے گمراہی کی راہ اختیار کرلی اور وہ اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر برسراقتدار آگئے تو خداوند تعالی نے انکی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا جسکا ذکر مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۳۴ پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ۔"ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے" قرآن کریم کی آیت کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا تحریر کیا ہے کہ "واذکرو انجعلکم خلفلء من بعد علد"

الاعراف۔ ۷۴

"اور اسکا ترجمہ انہوں نے یہ کیا ہے کہ :" اور (اے قوم ثمود) یاد کرو جبکہ اس نے تمہیں قوم عاد کے بعد خلیفہ بنایا۔ حالانکہ قرآن کریم میں یہ پوری آیت اسی طرح ہے: "واذکروا انجعلکم خلفلء من بعد علد وبواکم فی الارض تتخذون من سھو لھا قصورا" و تنحتون الجبال بیوتا فلذکروا الاءاللہولا تعثوا فی الارض مفسدین"

الاعراف۔ ۷۴

"حضرت صالح نے کہا کہ اے قوم ثمود یاد کرو کہ خدا نے تم کو (یعنی تمہارے آباؤ اجداد کو) قوم عاد کے بعد انکی زمینوں اور مالوں کا وارث بنایا تھا اور تم کو (یعنی تمہارے آباؤ اجداد کو) انکی زمینوں پر آباد کیا تھا لہذا تم نرم زمینوں میں تو محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر مکان بناتے ہو تو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہو اور زمین میں فساد مت کرو"۔ اور فساد سے مراد یقیناً" حضرت صالح کی یہ تھی کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کی اطاعت کرو اور انکی مخالفت نہ کرو"۔ چنانچہ اس سے اگلی

دو آیتوں میں ارشاد ہوتا ہے۔

"قال الملاء الذین استکبروا من قومہ للذین استضعفوا لمن امن منھم اتعلمون ان صالحا" مرسل من ربہ قالوا انا بما ارسل بہ مومنون قال الذین استکبروا انا بالذی امنتم بہ کافرون۔"

الاعراف ۷۵-۷۶

"ان کی قوم میں سے ان سرداروں نے جو خود سے بڑے بن گئے تھے ان کمزور اور محکوم لوگوں میں سے ان سے جو ایمان لے آئے تھے یہ کہا کہ کیا تم یہ جانتے ہو کہ صالح خدا کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ یہ لیکر آئے ہیں ہم تو بالیقین ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ ان خود سے بڑا بن جانے والوں نے یہ کہا کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم تو بالیقین اس کے منکر ہیں۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ قوم عاد کی عذاب سے تباہی اور ہلاکت کے بعد خدا نے اہل ایمان کو قوم عاد کی زمینوں پر آباد کیا تھا اور انہیں انکی زمینوں کا مالک و وارث بنایا تھا۔ لیکن خدائی اقتدار کے نمائندے اور واجب الاطاعت حاکم و فرمانروا حضرت ھود ہی تھے۔ اور وہ حضرت ھود پر ایمان رکھتے ہوئے ان کی اطاعت و پیروی کرتے رہے۔ لیکن جب سینکڑوں ہزاروں سال بعد ان اہل ایمان کی اولاد میں سے قوم ثمود ابھری اور انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت و پیروی ترک کر کے گمراہی کی راہ اختیار کرلی اور اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر خود سے بڑے بن گئے تو خدا نے حضرت صالح کو انکی طرف بھیجا تو ان کی قوم میں سے ان سرداروں نے جو خود سے بڑے بن گئے تھے حضرت صالح پر ایمان لانے سے انکار کردیا تو خدا نے قوم ثمود کو بھی ہلاک کردیا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

"فلما جاء امرنا نجینا صالحا والذین امنوا معہ برحمتہ منا و خزی یومئذ ان ربک ھوالقوی العزیز۔ ھود" -۶۶

"پھر جب ہمارے عذاب کا حکم پہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان کے ساتھیوں کو جو ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے اس دن کی رسوائی سے بچا لیا بیشک تمہارا پروردگار زور آور اور زبردست ہے۔ لیکن افسوس مسلمان مفکرین نے جس طرح "قوم عاد" کے سرکش مستکبرین اور جبار عنید حکمرانوں کو خدا کا خلیفہ کہا تھا اسی طرح قوم ثمود

کے ان سرداروں کو بھی جو خود سے اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر برسراقتدار آ گئے تھے اور قرآن نے انہیں مستکبرین کہا تھا اور جو حضرت صالح کی اطاعت کی بجائے انکو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن خدا کے معجزے یعنی حضرت صالح کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کی وجہ سے حضرت صالح کے قتل کی نوبت نہ آئی اور وہ اس سے پہلے پہلے عذاب خداوندی میں دھر لئے گئے' خدا کا خلیفہ قرار دیدیا۔ خداوند تعالی نے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۷۵۔ ۷۶ میں۔ دو اصطلاحیں استعمال کی ہیں ایک "الذین استکبرو" جو خود سے بڑے بن گئے اور دوسرے "الذین استضعفوا" وہ لوگ جو کمزور بنا دیئے گئے اور محکوم و غلام ہو گئے۔ پس ان برسراقتدار آنے والے قوم عاد اور قوم ثمود کے سرکش مستکبرین میں سے کوئی بھی نہ تو خدا کا خلیفہ تھا اور نہ ہی کسی رسول کا خلیفہ تھا بلکہ ان اقوام میں دو ہی طرح کے آدمی تھے ایک وہ مستکبرین جو خود سے بڑے بن گئے تھے۔ اور اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر برسراقتدار آ گئے تھے اور حکومت و فرمانبروائی کرنے لگے تھے اور دوسرے "مستضعفین" جنہیں کمزور ہونے کی بنا پر رعایا اور محکوم بنا لیا گیا تھا پس وہ لوگ جو خود سے اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر برسراقتدار آ گئے تھے خدا نے انہیں اپنا خلیفہ نہیں بلکہ انہیں "استکبار" کرنے والے "مستکبرین کہا ہے اور انہیں "جبار عنید" کا لقب دیا ہے۔ پس یہ اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر برسراقتدار آنے والے سب کے سب بادشاہ چاہے قوم عاد و ثمود سے ہوں یا دوسری قوموں سے "مستکبرین" تھے اور "جبار عنید" تھے۔ لہٰذا یہ کبھی "شداد" بن کر ابھرے۔ کہیں "نمرود" بن کر ابھرے کہیں فرعون "وھامان" بن کر ابھرے کہیں "قیصر" بن کر ابھرے کہیں "کسریٰ" بن کر ابھرے اور کہیں فقط بادشاہ اور شہنشاہ کہلائے۔ لیکن اسلام کے ظہور کے بعد جب مسلمانوں میں سے کوئی خاندان برسراقتدار آیا اور وہ اپنی قوت اور طاقت کے بل بوتے پر بادشاہ بن کر حکمرانی و فرمانبروائی کرنے لگا تو اس نے بادشاہ بننے کے بعد خود سے خلیفہ کا لقب بھی اختیار کر لیا۔ اور یہ بالکل اسی طرح کے ایک لقب یا خطاب کی حیثیت اختیار کر گیا تھا جیسا کہ سابقہ قوموں میں نمرود و فرعون اور قیصر و کسریٰ کے خطاب تھے۔ نمرود و فرعون و قیصر و کسریٰ وغیرہ ان بادشاہوں کے نام نہیں تھے بلکہ یہ ان قوموں کے بادشاہوں کے لقب اور خطاب تھے۔ اسی طرح مسلمان خاندانوں میں سے جو بھی خاندان اپنی قوت و طاقت

کے بل بوتے پر بادشاہ بنتا تھا وہ خلیفہ کا لقب اختیار کر لیتا تھا۔ اور خوشامدی چاپلوس اور مصلحت کوش درباری علماء انہیں نہ صرف خلیفہ کہتے بلکہ ظل سبحانی۔ اور "ظل اللہ" وغیرہ کے لقب سے بھی نوازتے۔ اور ان کی پیروی کرنے والے مسلمان مفکرین اور دانشوروں نے ان مسلمان بادشاہوں کو خدا کا خلیفہ ثابت کرنے کے لئے آیات قرآنی کا قتل عام کر کے اور و جعلوا القرآن عضین کے قرآنی ارشاد کے مطابق آیات قرآنی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو پوری آیت سے جدا کر کے قوم عاد و ثمود کے ان بادشاہوں کو جو خود سے بڑے بن گئے تھے اور اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر برسراقتدار آئے تھے اور جنہیں خدا نے قرآن میں "مستکبرین" اور "جبار عنید" کہا تھا خدا کا خلیفہ قرار دیدیا۔ بہرحال قوم نوح قوم عاد اور قوم ثمود کے وہ اہل ایمان جنہیں نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کر کے نجات دی تھی اور قوم عاد اور قوم ثمود کے سرکشوں کو ہلاک کر کے اہل ایمان کو زندہ بچا لیا گیا تھا وہ ان قوموں کی ہلاکت سے پہلے بھی اپنے اپنے وقت کے انبیاء یعنی حضرت نوح حضرت ھود اور حضرت صالح کے مطیع و فرمانبردار تھے اور ان قوموں کی ہلاکت کے بعد بھی وہ ان انبیاء خدا کے مطیع و فرمانبردار رہے انہیں ہلاک ہونے والی قوموں کا جانشین۔ انکی زمینوں کا مالک و وارث بنایا گیا تھا انہیں خدا نے اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا اور نہ ہی وہ برسراقتدار آئے تھے بلکہ ان اہل ایمان کے سینکڑوں ہزاروں سال بعد ان کی نسلوں میں سے جب قوم عاد اور قوم ثمود ابھری تو وہ خود سے اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر سرکشی اختیار کر کے برسراقتدار آگئی تھیں لہٰذا خدا اور قرآن کے نزدیک اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر برسراقتدار آنے والے یہ بادشاہ خدا کے خلیفہ نہیں تھے بلکہ انبیاء علیہم السلام سے سرکشی کرنے والے خود سے بڑے بن جانے والے مستکبرین اور جبار عنید تھے اور جنہیں کمزور ہونے کی وجہ سے رعایا اور محکوم بنا لیا گیا تھا وہ سب کے سب قرآن کی نظر میں "مستضعفین" تھے خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ان بڑے بن جانے والے مستکبرین یا حاکموں اور بادشاہوں اور ان کمزور بنا دیئے گئے محکوموں یعنی "مستضعفین" کی قیامت کے دن کی ایک گفتگو کو یوں بیان کرتا ہے۔

"و قال الذین استضعفوا للذین استکبروا بل مکروا الیل و النهار اذ تامرو ننا ان نکفر باللہ و نجعل لہ اندادا"۔

پ ۲۲ ۔ ع ۱۰

''اور قیامت کے دن وہ لوگ جو کمزور (اور محکوم رعایا) بنا دیئے گئے تھے ان لوگوں سے جو (برسراقتدار آ گئے تھے) اور خود سے بڑے بن گئے تھے یہ کہیں گے کہ تمہاری رات دن کی چالوں نے ہم کو روکا جب کہ تم برابر ہم کو یہ حکم دیتے رہے کہ ہم اللہ (کے حاکم ہونے) کا انکار کریں اور اس کے برابر کے ساتھی اور شریک بنا لیں۔

پس اللہ کی حکومت کے مقابلہ میں جو بھی اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر برسراقتدار آیا وہ خدا کی نظر میں اسکا خلیفہ نہیں بلکہ وہ مستکبر ہے اور جبار عنید ہے اور اس نے اپنی طاقت و قوت اور اپنی چالوں سے خدا کے مقابلہ میں کمزوروں سے خود کو حاکم منوالیا ہے۔ لیکن مغرب کی جمہوریت میں اپنی افرادی قوت و طاقت کا استعمال تلوار کی بجائے ووٹ کے ذریعہ ہونے لگا۔ پہلے تلوار چلتی تھی اب پیسہ چلتا ہے۔ مگر پہلے ''مکر اللیل و النھار'' یعنی رات دن کی چالوں کی ضرورت کم پڑتی تھی اب ''مکر اللیل والنھار'' یعنی رات دن کی چالوں کا استعمال زیادہ ہے۔ اور اس طرح 51 فیصد ووٹ لینے والے 49 فیصد ووٹ دینے والوں کے برخلاف حاکم بن جاتے ہیں اور کم ووٹ لینے والے کمزور، مستضعفین اور محکوم بن جاتے ہیں اور اصطلاح میں حزب اختلاف کہلاتے ہیں۔ لیکن اس میں جو ہار گئے وہ تو خیر محکوم بن ہی گئے لیکن جنہوں نے اپنے ووٹوں کے ذریعہ اپنے حاکموں کو کامیاب کرایا ہے ان کی مثال بھی بالکل ایسی ہے جیسے کہ کافر پتھر کے بت تراش کر ان کے آگے سجدہ کیا کرتے تھے اسی طرح اپنے ووٹوں کے ذریعہ دوسروں کو حاکم بنانے والے اپنے ووٹ کے ذریعہ دوسروں کو اپنا حاکم بنا کر ان کے سامنے سر تسلیم ختم کر دیتے ہیں اور ان کے اطاعت گزار بن جاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تلوار کے زور پر برسراقتدار آنے والے بادشاہ کہلاتے تھے اور نمرود و فرعون اور قیصر و کسریٰ یا خلیفہ کا لقب اختیار کرتے تھے۔ اور ووٹ کے ذریعہ برسراقتدار آنے والے صدر۔ وزیراعظم۔ وزیر اور مشیر کہلاتے ہیں اور جس طرح تلوار کے زور پر برسراقتدار آنے والے کمزوروں اور محکموں پر ظلم ڈھاتے اور ان کا خون چوستے تھے اسی طرح یہ ووٹوں کے ذریعہ برسراقتدار آنے والے وہی قیصر و کسریٰ اور فرعونوں والے کام کرتے ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر کرتے ہیں

چونکہ یہ بھاری بھرکم اخراجات کر کے کامیابی حاصل کرتے ہیں اس لئے اپنے اخراجات مع منافع پورا کرنے کے لئے کمزور رعایا اور محکوم بنائے گئے لوگوں کو خون چوسنے میں قیصر و کسریٰ اور فرعونوں سے بھی سو قدم آگے نظر آتے ہیں اور اسی لئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

بہرحال مغرب کی جمہوریت سے مغلوب ہو کر مسلمان مفکرین اور دانشوروں نے کبھی ہر انسان کو خدا کا خلیفہ کہا کبھی ہر برسراقتدار قوم کو خدا کی خلیفہ کہا اور کسی نے پوری ملت کو خدا کا خلیفہ کہا اور کسی نے یہ کہا کہ انسان مجموعی حیثیت میں خدا کا خلیفہ ہے۔

چنانچہ مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۳۳ پر یہ ثابت کیاہے کہ ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے اور یہ ثابت کرنے کے لئے بھی انہوں نے قرآنی آیات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو استعمال کیا ہے چنانچہ ہر انسان کو خدا کا خلیفہ ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کے جو ٹکڑے پیش کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

نمبرا:"و اذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ"۔البقرہ۔۳۱

"اور یاد کرو کہ جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

نمبر۲۔:ولقد مکناکم فی الارض و جعلنا لکم فیھا معایش۔۔لاعراف۔ ۱۰

"(اے انسانو) ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لئے اس میں سامان زیست پیدا کئے"۔

نمبر۳:"الم تو ان اللہ سخرلکم ما فی الارض۔ الحج ۔ ۶۵

"کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ مسخر کر دیا جو زمین میں ہے"

اور ان آیات سے مولانا مودودی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ "ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے"۔ اور صفحہ نمبر ۳۴ پر قوم عاد اور قوم ثمود سے متعلق آیات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استعمال کر کے جنکا بیان تفصیلی طور پر اوپر آ چکا ہے یہ ثابت کیا کہ "ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے"۔ لیکن محترم شیخ محمد اقبال صاحب نے ڈگری کلاسز کے لئے لازمی اسلامیات کی کتاب "جواہر الاسلام" میں صفحہ ۲۹۴ پر اس بات سے اختلاف کیا ہے چنانچہ وہ صفحہ ۲۹۴ کی سطر ۱ تا ۵ میں لکھتے ہیں۔ "خلافت کا حق پوری ملت کو عطا ہوتا ہے۔ ملت کے سب افراد نظم و نسق میں حصہ دار ہوتے ہیں وہ باہم مشورہ کر کے اپنی رضا سے کچھ اختیارات ایک دین دار اور اہل شخص کو سونپ کر اسے رئیس اعلیٰ مان لیتے ہیں یہ شخص اصطلاحاً" خلیفہ کہلاتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیفتہ کہا۔ کیونکہ قوم کی سربراہی ان کے ہاتھ میں تھی وہ چونکہ نبی تھے اس لئے ان کا انتخاب مشورہ سے نہیں ہوا۔

کیا دنیا کا کوئی باطل سے باطل مذہب اور جاہل سے جاہل شخص بھی اپنے مطلب کو ایسی مثال کے ذریعہ ثابت کرنے کی سوچ سکتا ہے؟ اس سے آگے اپنی کتاب "جواہرالاسلام" کے اسی صفحہ ۲۹۴ کی سطر ۱۲ تا ۱۷ پر لکھتے ہیں: "خلیفہ کے تقرر اور عزل کا حق ساری قوم کو حاصل ہوتا ہے وہ آئے دن کے معاملات میں بھی رائے دینے کا پورا حق رکھتی ہے۔ خلافت کا تقاضا ہے کہ شوریٰ پر مکمل طور پر عمل کیا جائے تاکہ ملت کا ہر فرد خلافت میں حصہ دار ہو سکے انسان مجموعی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے سوائے نبی کے کسی انفرادی شخص کو خلیفتہ اللہ کہنا بجا نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی نے خلیفتہ اللہ کہا تو انہوں نے پسند نہ کیا۔ حضرت عمرثانی کو بھی ایک شخص نے خلیفہ اللہ کہا تو فرمایا کہ خلیفتہ اللہ داؤد علیہ السلام تھے یا ان کی طرح کے دیگر پیغمبر۔ "جوہرالاسلام ص ۲۹۴"۔۔اب ان مسلمان مفکرین اور دانشوروں کے ان ژولیدہ خیالات پر غور کیجئے۔ ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے (خلافت و ملوکیت۔ ص ۳۳) کسی انفرادی شخص کو خدا کا خلیفہ کہنا بجا نہیں (جواہر الاسلام ص ۲۹۴) ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دارصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے (خلافت و ملوکیت ص ۳۴) خلافت کا حق پوری ملت کو عطا ہوتا ہے

(جواہر الاسلام ص ۲۹۴) خلیفہ کے تقرر اور عزل کا حق ساری قوم کو حاصل ہوتا ہے جواہر الاسلام ص ۲۹۴۔ انسان مجموعی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے سوائے نبی کے کسی انفرادی شخص کو خلیفہ اللہ کہنا جائز نہیں (جواہر الاسلام ص ۲۹۴)۔

خلافت کے بارے میں ان سارے مسلمان مفکرین اور دانشوروں کے خیالات مین اتنی ژولیدگی اور پراگندگی کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ دور کے مسلمان مفکرین اور دانشور مغرب کی جمہوریت سے مرعوب اور مغلوب ہو کر اقوام یورپ کے سامنے خلافت کو جمہوری ثابت کر کے سرخرو ہونا چاہتے ہیں لیکن جب مسلمانوں میں بادشاہت کا دور دورہ تھا اور اپنی قوت و طاقت کے زور پر برسراقتدار آنے والے بادشاہ بن جاتے تھے اور خلیفہ کہلاتے تھے تو یہی مسلمان مفکرین اور دانشور یہ کہتے تھے کہ خلافت یا امامت قہر وغلبہ کے ذریعہ سے قائم ہو جاتی ہے چاہے وہ کتنا ہی فاسق و جاہل ہو پس اگر کوئی شخص لوگوں کو مغلوب کر لے تو وہ خلیفہ یا امام ہو جاتا ہے اور اگر کوئی اور شخص اس غالب آنے والے پر غلبہ حاصل کر لے تو پھر وہ خلیفہ ہو جاتا ہے جیسا کہ اہل سنت کے معروف دانشور علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں تحریر فرمایا ہے۔ اور اگر کوئی محقق پوری غیر جانبداری کے ساتھ تحقیق کرے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ خلیفہ یا خلافت کو سب سے پہلے خدائی منصب بنانے والے اور بادشاہوں کو خلیفۃ اللہ کہلانے والے بنی امیہ کے بادشاہ تھے اور انکی تائید کرنے والے ان کے درباری علماء تھے جبکہ "شعبی" حکومت بنی امیہ کو اس وقت کی فاسد ترین حکومت جانتے ہیں وہ کہتے ہیں: "خدا کی قسم میں نے روئے زمین پر ان بنی اُمیہ" سے بڑھ کر بدکار اور مجرم نہیں دیکھے"۔ تاریخ طبری ج ۵ ص۔ ۱۲۱۔ یہ بدکار اس قدر خود ست اور مغرور ہو گئے تھے کہ مقام خلافت کو مقام نبوت سے بالاتر جانتے تھے"۔ تاریخ کامل ابن ایثرج ۴ ص ۲۲۰۔ "یعنی امر خلیفہ کو امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و امر خدا پر مقدم جانتے تھے " چنانچہ "عبداللہ بن صیفی" خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دربار میں آیا اور کہا کہ "اے امیر مومنان! آپ اپنے کسی پیغام رساں کو دوست رکھتے ہیں یا اپنے جانشین اور خلیفہ کو زیادہ جانتے ہیں؟ ہشام بولا: اپنے جانشین اور خلیفہ کو زیادہ دوست رکھتا ہوں"۔ (اس نے کہا) آپ زمین پر اللہ کے خلیفہ اور جانشین ہیں جبکہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رسول اور لوگوں کی طرف بھیجے

گئے پیغام رساں سے زیادہ نہ تھے(نعوذ باللہ نقل کفر، کفر نباشد)۔ "فلنت اکرمهم عند اللہ منہ"۔ پس اللہ کے نزدیک آپ کا مقام ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے مقام سے بالاتر ہے ہشام نے اس کی بات پر اظہار پسندیدگی کرتے ہوئے سر ہلایا اور چپ رہا۔۔ اخبار الطوال ص ۳۴۱ مطابق نقل سہ ماہی رسالہ الثقلین اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۵ ص ۱۵۸۔

پس سب سے پہلے بنی امیہ کے بادشاہوں نے خود کو خلیفہ اللہ کہلایا اور ان کے درباری علماء نے ان کو خلیفتہ اللہ بتانے کے لئے پیغمبر کے بعد برسر اقتدار آنے والے حکمرانوں کو بھی "خلیفتہ اللہ" کے لقب کے ساتھ شہرت دیدی حالانکہ خود حضرت ابوبکر نے اس بات سے سختی کے ساتھ انکار کیا تھا چونکہ پہلے کے چاروں حکمرانوں کو خلیفتہ اللہ بتائے بغیر وہ بنی امیہ کے بادشاہوں کو خلیفتہ اللہ نہیں کہہ سکتے تھے لہذا ان کے شدید انکار کے باوجود بنی امیہ کے ان درباری علماء نے انہیں بھی خلیفتہ اللہ کہنا شروع کر دیا۔ اور قوم نوح۔ قوم عاد اور قوم ثمود کے بارے میں قرآنی آیات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لے کر سیاق و سباق کلام سے بالکل ہٹ کر اپنے مطلب پر چپکا دیئے۔

سب اللہ کے بندے ہیں

جب ہم قرآن کریم کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو خدا نے کسی نبی کو اپنا خلیفہ کہا نہ کسی انسان کو اپنا خلیفہ کہا نہ کسی نبی نے خود کو کبھی خدا کا خلیفہ کہلوایا۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب اپنی سب سے بڑی عزت اور فخر اس بات کو قرار دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور خدا انکا رب ہے اور اپنی توحید کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کے لئے جس بات کی گواہی خدا نے ضروری قرار دی وہ آپ کا عبد ہونا ہے حتی کہ نماز میں اشهد ان لا الہ الا اللہ

کے بعد ہم سے جس بات کی گواہی دینا لازمی قرار دیا ہے وہ اشهد ان محمدا" عبدہ ورسولہ ہے اگر خلافت کوئی خدائی منصب ہوتا تو یہ گواہی یوں ہوتی اشهد ان محمدا" خلیفتہ ورسولہ۔ بلکہ خدا نے تمام انبیاء کو اور تمام انسانوں کو اپنا عبد یعنی بندہ کہا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسےٰ سے اعلان کرایا:

"قال انی عبداللہ اٰتنی الکتب و جعلنی نبیا" پ ۱۶ ع ۵

"حضرت عیسیٰ نے گہوارہ آغوش مادر میں اعلان کیا کہ میں اللہ کا بند ہوں کتاب لیکر آیا ہوں اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ حالانکہ وہ حضرت عیسیٰ سے یہ اعلان کرا سکتا تھا کہ انی خلیفتہ اللہ۔ میں اللہ کا خلیفہ ہوں مگر نہ وہ اللہ کے خلیفہ تھے نہ خدا نے ان سے یہ اعلان کرایا ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"مثلاً" بنی اسرائیل۔ پ ۲۵ ع ۱۲

"ان ھو الا عبدانعمنا علیہ و جعلنٰہ مثلاً لبنی اسرائیل"

"وہ حضرت عیسیٰ) تو بس صرف ہمارے ایک بندے تھے ہم نے انکو اپنی نعمت سے نوازا تھا اور انکو بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنایا تھا حضرت خضر کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

"فوجدا عبدا" من عبادنا اتینہ رحمتہ من عندنا و علمنٰہ من لدنا علما"

پ ۱۵ ع ۲۱

"پس ان دونوں (یعنی حضرت موسیٰ اور انکے ساتھی) نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اسے اپنی طرف سے علم عطا کیا تھا۔ یہاں بھی خدا نے یہ نہیں کہا کہ فوجدا خلیفہ من خلفاء نا۔ "حضرت ختمی مرتبت کو جس بڑے سے بڑے لقب سے نوازا وہ بھی "عبد" ہے ارشاد ہوتا ہے۔

"و ان کنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ"

پ ۱ ع ۳

"ہم نے اپنے بندے پر جو کچھ نازل کیا ہے اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہے تو تم اس کی جیسی ایک سورہ ہی بنا لاؤ۔ یہاں یہ نہیں کہا کہ ہم نے جو کچھ اپنے خلیفہ پر نازل کیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"الحمدللہ الذی انزل علی عبدہ الکتب و لم یجعل لہ عوجا"

پ ۱۵ ع ۱۳

"سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کچھ بھی کجی نہ رکھی۔ یہاں بھی خدا نے یہ نہیں کہا کہ خدا نے اپنے خلیفہ پر کتاب اتاری۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا"۔ پ ۱۸ ع ۱۶

"برکتوں والا ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ لوگوں کو ڈرائے۔" یہاں بھی خدا نے یہ نہیں کہا کہ برکتوں والا ہے وہ خدا جس نے اپنے خلیفہ پر قرآن نازل کیا۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ "سبحان الذی اسری بعبدہ

لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ

پ ۱۵ ع ۱

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو (شب معراج) راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی"۔ یہ کتنا اچھا موقع تھا کہ خدا یہ کہتا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے خلیفہ کو راتوں رات سیر کرائی۔ اور پھر شب معراج جب اس مقام پر پہنچے جسے قدرت نے قاب قوسین او ادنیٰ کہا ہے تو فرمایا۔

فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی

پ ۲۷ ع ۵

"جب دو کمانوں یا اس سے بھی کم رہ گیا تو ہم نے اپنے بندے کو وحی کی جو بھی وحی کی۔ ایسے مقام پر لیجا کر بھی "خلیفتی" نہ کہا ورنہ کیا حرج تھا جو یوں کہ دیتا کہ

"فاوحی الی خلیفتہ ما اوحی

"پس اس نے اپنے خلیفہ کو وحی کی جو بھی کی۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ لفظ عبد قرآن میں جہاں بھی آیا ہے وہ خاص طور پر انبیاء کے لئے ہی آیا ہے آخر خدا عالم الغیب ہے یقینی طور پر اسے علم تھا کہ مستکبرین و جبار عنید بادشاہ خود کو خلیفہ کہلانے کے لئے اور وہ بھی میرا خلیفہ کہلانے کیلئے انبیاء کو میرا خلیفہ کہ دیں گے لہٰذا کہیں بھی خدا نے کسی نبی کو اپنا خلیفہ نہیں کہا"۔ جہاں تک آدم کا تعلق ہے تو ہم ثابت کر آئے ہیں کہ انہیں ان ہی ملائکہ کا خلیفہ و جانشین بنایا گیا تھا جن سے خطاب تھا اور حضرت داؤد کو حضرت طالوت بادشاہ کی جگہ انکا جانشین اور خلیفہ بنایا تھا۔ نہ آدم خدا کے خلیفہ تھے اور نہ ہی حضرت داؤد خدا کے خلیفہ تھے۔ بہرحال خلافت کی یہ بحث

بہت طویل ہے لہٰذا اس کے تمام پہلوؤں پر اس مختصر کتاب میں روشنی نہیں ڈالی جا سکتی ۔ ہم نے خلافت کے بارے میں وقت کے ساتھ ساتھ بدلنے والے اصولوں اور خلافت سے متعلق دعوؤں کو چند تنقیحات میں تقسیم کر کے اپنی کتاب "منشورہ حکومت اسلامی" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لہٰذا یہاں پر "خلافت قرآن کی نظر میں" کا آخری نتیجہ پیش کر کے اس کتاب کو ختم کرتے ہیں۔

نتیجہ آخر

قرآن کریم کی تمام آیات میں غور کرنے سے جو نتیجہ نکلتا ہے اور واضح طور پر جو حقیقت ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ : نہ تو خلافت کوئی منصب ہے نہ خلیفہ کوئی عہدہ ہے نہ ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے نہ ہر برسراقتدار قوم خدا کی خلیفہ ہے۔ نہ کسی قوم کو خلافت کا حق دیا گیا ہے ۔ نہ ہر ملت کو خلیفہ سازی کا کوئی حق ہے۔ نہ ملک کا ہر فرد خلافت کے معاملہ میں حصہ دار ہے۔ نہ امانت سے مراد خدا کی خلافت ہے۔ نہ ہی قرآن میں شوریٰ اور شاورھم کے الفاظ خلیفہ کے انتخاب اور سربراہ مملکت کے چناؤ کے لئے آئے ہیں۔ نہ آدم خدا کے خلیفہ تھے نہ حضرت داوٗد خدا کے خلیفہ تھے۔ نہ قوم نوح خدا کی خلیفہ تھی نہ قوم عاد خدا کی خلیفہ تھی نہ قوم ثمود خدا کی خلیفہ تھی بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مصر و روم و ایران کا ہر بادشاہ برسراقتدار آکر فرعون و قیصر و کسریٰ کا لقب اختیار کر لیا کرتا تھا اسی طرح مسلمان حکمرانوں میں سے بنی امیہ بنی عباس اور ان کے بعد برسراقتدار آنے والے تمام مسلمان بادشاہ 1924ء تک خود کو خلیفہ کہلایا کرتے تھے لہٰذا مسلمان مفکرین اور دانشوروں اور ان بادشاہوں کے درباری علماء نے ان کو خلیفۃ اللہ ثابت کرنے کے لئے نہ صرف پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی حکومت کے فرمانرواؤں کو۔ ان کے سختی کے ساتھ انکار کرنے منع کرنے اور پسند نہ کرنے کے باوجود۔ خلیفۃ اللہ کہنا شروع کر دیا بلکہ قوم عاد اور قوم ثمود کو بھی۔ جنہیں خدا نے قرآن میں مستکبرین اور جبار عنید کہا تھا۔ خلیفۃ اللہ بنا دیا اور آج دور جدید کے مسلمان مفکرین نے کچھ تو اپنے اسلاف کی بچ نبھانے کے لئے اور کچھ مغرب کی جمہوریت سے مغلوب ہو کر خلافت کے لئے اپنے اپنے خیال کے

مطابق نئے نئے اصول بنانے شروع کر دیئے۔ اور قرآن کریم کی آیات کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جعلوا القرآن عضین کے مطابق لا تقربوا الصلوٰۃ کی طرح اپنے مطلب کا ٹکڑا چپکاتے رہے۔ درانحالیکہ پچھلے چودہ سو سال میں یہ مفکرین اور دانشور، سابقہ چودہ سو سال کے بادشاہوں کے درباری علماء کی دیکھا دیکھی جن کو خلیفہ کہتے رہے ان میں سے کوئی بھی ان کے ان خود ساختہ اصولوں کے مطابق نہیں بنا تھا۔ اور یہ ابلیس کی طرف سے بہکائے میں آنے کی انتہا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ابلیس کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ خدا کے مقرر کردہ ہادی آدم کی اطاعت کرے۔ لیکن اس نے نہ صرف خود خدا کے مقرر کردہ ہادی کی اطاعت نہیں کی۔ بلکہ برملا یہ چیلنج کیا کہ میں اس کی ساری اولاد کو بہکاؤں گا۔ چنانچہ اس نے اپنے اس قول کو سچ کر دکھایا۔ اور اس نے آدم کی اولاد کی اکثریت کو خدا کے مقرر کردہ ہادیوں سے سرکش کر دیا اور نہ صرف انہیں ہر ظالم و جابر اور ہر فاسق و فاجر کے سامنے جھکا دیا بلکہ ان کی زبان سے ہر ظالم و جابر اور ہر فاسق و فاجر کو خلیفۃ اللہ بھی کہلوا دیا۔ اور فرشتوں سے بھی اس نے اپنا بدلہ لے لیا جنہوں نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ

اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء

"یعنی کیا تو ایسے کو ہمارا خلیفہ و جانشین بنائے گا جو زمین میں فساد و خونریزی کرے"۔ لہٰذا وہ خود تو فرشتوں کا خلیفہ اور جانشین نہ بن سکا لیکن اس نے آدم کی اولاد سے ایسوں ہی کو نہ صرف ملائکہ کا خلیفہ و جانشین بلکہ خلیفۃ اللہ کہلوا دیا۔

اور اس بات کی سب سے بڑی دلیل، کہ انسان خدا کا خلیفہ نہیں ہے، خود قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جنہیں انسان کو خدا کا خلیفہ بنانے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ علی الخصوص وہ آیات جن میں خدا نے لوگوں سے ایمان لانے اور عمل صالح بجا لانے کی صورت میں استخلاف کا وعدہ کیا ہے۔ جو المومن۔ ۷، النور۔ ۵۵، الاعراف۔ ۱۲۹، الانعام۔ ۱۳۳ وغیرہ آیات میں بیان ہوا ہے۔ اور یہ سب سے بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ خدا نے انسان کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مئولف کی تالیفات ایک نظر میں

نمبر1	ایک پراسرار جاسوسی کردار	مطبوعہ
نمبر2	ترجمہ تنبیہہ الانام برمفاسد ارشاد العوام	مطبوعہ
نمبر3	نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ	مطبوعہ
نمبر4	شیعیت کیا ہے؟ اور شیعی کون	مطبوعہ
نمبر5	حکومت الہیہ اور دنیاوی حکومتیں	مطبوعہ
نمبر6	تبصرۃ المھموم	مطبوعہ
نمبر7	خلافت قرآن کی نظر میں	مطبوعہ
نمبر8	شیوۂ حکومت اسلامی	غیر مطبوعہ
نمبر9	العقائد الحقیہ	مطبوعہ
نمبر10	عظمت ناموس رسالت	غیر مطبوعہ
نمبر11	عظمت ناموس صحابہ	غیر مطبوعہ
نمبر12	سراب آزادی یا غلامی کی پر فریب زنجیریں	غیر مطبوعہ

ادارہ انتشارات حقائق الاسلام چنیوٹ